پاکستان میں سلام نگاری کی روایت

مقالہ نگار

سیّد شاہ زمان عباس شمسیؔ

رجسٹریشن نمبرS19A14G46018

نگران مقالہ

سیّد منیر حسین

شعبہ اُردو

فیکلٹی آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینٹیز

رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس، فیصل آباد

اپریل،۲۰۲۱ء

پاکستان میں سلام نگاری کی روایت

یہ تحقیقی مقالہ ایم فل اُردو کی ڈگری کے تقاضوں کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا۔

مقالہ نگار

سیّد شاہ زمان عباس شمسیؔ

رجسٹریشن نمبر S19A14G46018

نگران مقالہ

سیّد منیر حسین

شعبہ اُردو

فیکلٹی آف سوشل سائنسز اینڈ ہیومینٹیز

رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس، فیصل آباد

اپریل، ۲۰۲۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حلف نامہ

میں حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ ہذا بعنوان **"پاکستان میں سلام نگاری کی روایت"** برائے حصول سند ایم۔فل اُردو میں نے خود لکھا ہے۔جو ممکنہ حد تک بنیادی مصادر و مراجع پر مشتمل ہے البتہ تشریح و تفصیل کے لیے ذیلی مآخذ سے بھی مدد لی گئی ہے۔اس مقالہ کی تیاری میں کسی قسم کے سرقہ سے کام نہیں لیا گیا۔ نیز اس سے پہلے یہ مقالہ پاکستان کی کسی بھی یونیورسٹی میں حصول سند کے لیے پیش نہیں کیا گیا۔ میں اس مقالے کے تمام نتائجِ تحقیق کا ذمہ دار ہوں۔

سید شاہ زمان عباس شمسی

دستخط۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

رجسٹریشن نمبر S19A14G46018

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مقالہ ہذا بعنوان **"پاکستان میں سلام نگاری کی روایت"** برائے حصولِ سند ایم فل اردو میری نگرانی میں مکمل کیا گیا ہے۔ اس مقالہ کی تیاری میں کسی قسم کے سرقہ سے کام نہیں لیا گیا اور میں اس کے انداز تحریر و معیارِ تحقیق سے مطمئن ہوں، نیز یہ مقالہ کسی اور جامعہ / ادارہ میں حصول سند کے لیے پیش نہیں کیا گیا۔

دستخط نگران مقالہ

سیّد منیر حسین

سنیئر لیکچرر، شعبہ اُردو

رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس فیصل آباد

سیکرٹری ریسرچ کمیٹی

رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی فیصل آباد کیمپس، فیصل آباد

=

پیش لفظ

میرے تحقیقی مقالے کا موضوع "پاکستان میں سلام نگاری کی روایت" ہے جو رفاہ انٹر نیشنل یونی ورسٹی فیصل آباد کیمپس کی جانب سے شعبۂ اردو کے لیے لکھا گیا ہے۔

انتخابِ موضوع کے بارے میں اتنا کہوں گا کہ رحمت عالم، ہادیٔ برحق جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کے اہل بیت عظام، آل پاک صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین، شہدائے کربلاؑ، مسلمانوں کے لیے حق گوئی، تسلیم و رضا اور وفاشعاری کا استعارہ ہیں، تاریخ انسانی میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان مقدس ہستیوں کا تذکرہ اپنی تقریر و تحریر میں ہر زماں میں کیا جائے تاکہ اخلاقی اقدار زندہ و تابندہ رہیں۔ خاکسار نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ سلام کے حوالے سے شاعری کی اہم اصنافِ سخن میں سے سلام کے اشعار کو تحقیق میں شامل کیا جائے اس مقالہ میں سلام کے حوالے سے قدیم شعراء نے جو مضامین بیان کیے ہیں اس کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ زیادہ تر سلام شہداء کربلا کے حوالے سے ملے کہ جنھوں نے صحرائے کربلا میں اتنی بڑی قربانی دی۔ اس اخلاقی زوال کے زمانے میں تو اس کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے، یہ ہمارا دینی فریضہ بھی ہے کہ ہم اہل بیت اطہار خاص طور پر شہدائے کربلاؑ سے محبت کریں اور ان کے کردار کو قول و عمل میں زندہ کریں تاکہ افقِ عالم پر انقلابِ حُسینیتؑ کا سویرا طلوع ہو اور نامِ حُسینؑ سے باطل کا آخری چراغ بھی بجھ جائے اور یہ کہ اسی میں ہی مسلمانوں کی نجات کا راز مضمر ہے۔

زیر نظر مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں سلام نگاری کے تمہیدی مباحث شامل کیے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں سلام نگاری کے حوالے سے ان تمام شعرا کا کلام ضبطِ تحریر کیا گیا جنھوں نے تقسیمِ ہند سے پہلے سلام لکھا اور راقم الحروف نے حتی المقدور کوشش کی کہ کوئی پہلو اس حوالے سے تشنہ نہ رہنے پائے۔ پھر اس کے بعد تیسرے اور چوتھے باب میں پاکستان کی آزادی کے بعد ان تمام شعراء کے کلام کا جائزہ لیا گیا کہ جنہوں نے اس موضوع پر طبع آزمائی کر کے اہلِ ایمان کے دلوں کو منور کیا۔ اس مقالے میں صنفِ سلام کے حوالے سے وہ تمام مضامین قلم بند کیے گئے جن میں سلام کا لفظ بطور عقیدت پیش کیا گیا۔

آخر میں ماحصل سے یہ مقالہ اپنی تکمیلی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس کی تکمیل پر میں خلاقِ ازل، صاحبِ کُن مالکِ ہستی کا بے حد شکر گزار ہوں اور لاکھوں درود و سلام محمدؐ و آلِ محمدؐ پر۔۔۔۔۔

اگرچہ میرا موضوع خاصا مشکل تھا مگر میرے شفیق نگرانِ کار محترم سید منیر حسین نے اسے ممکن بنا دیا۔ مقالے کے عنوان کی منظوری سے لے کر تکمیل کے آخری مراحل تک میری رہنمائی کرتے اور حوصلہ بڑھاتے رہے۔ میں اس کرم فرمائی کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر شاہدہ یُوسُف، اور ماہر اقبالیات، ڈاکٹر محمد آصف اعوان، عظیم محقق و نقاد، ڈاکٹر جمیل اصغر، اردو شاعر و نقاد، جلال الدین نعمانی، علم و آگہی کے چراغ، ماہر ہندی زبان و ادب، محترم اخلاق

حیدرآبادی، پروفیسر ڈاکٹر منظور طاہر اور دیگر اساتذہ کرام کا بھی شکر گزار ہوں۔ اِن شخصیات نے نہ صرف ہماری علمی تشنگی کو بجھایا بلکہ علمی تحقیق و جستجو کا جذبہ پیدا کیا اور سارے دورانیے میں اس قدر محنت اور لگن سے پڑھایا کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ کسے محنتی اور قابل استاد قرار دیا جائے کیونکہ ہر ایک کا اندازِ تدریس، متانت اور سنجیدگی قابل رشک ہے۔ یونی ورسٹی انتظامیہ اور نعیم مبشر صاحب کا بھی بے حد شکریہ۔ ہم جماعتوں میں حبیب الرحمٰن شبلی، نواز ساجد، ایاز بیگ، جدید اردو شاعرہ فرح گوندل، اور ثقلین ساجد بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس کے علاوہ محترم صبیح رحمانی (نعت ریسرچ سنٹر کراچی)، واجب الاحترام بزرگ ہستی مرحوم چوہدری یوسف ورک کی لائبریری جو کہ شاہدرہ موڑ لاہور میں واقع ہے ان کے اس جہانِ فانی سے رخصت ہونے کے بعد محترم ارسلان بڑی نیک کاوش سے لائبریری کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔ وہ ایک متعاون شخصیت ہیں جنھوں نے اس تحقیقی کام کے تکمیلی مراحل تک بہت رہنمائی کی جن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی اسکالر محترمہ حنا اصغر بھی شکریہ کی مستحق ہیں جنھوں نے اس نیک کاوش کے لیے علمی معاونت کا سلسلہ جاری رکھا۔ میں اپنے اہلِ خانہ میں سے والد سید ظہیر عباس شمسی اور والدہ سیدہ منور بتول کا بھی شکریہ ادا کرنا واجب سمجھتا ہوں، جنھوں نے بچپن سے لے کر اب تک قدم قدم پر میری بہترین علمی و عملی تربیت کی اور حصول تعلیم کا ماحول بھی فراہم کیا۔ آخر میں میری دعا ہے کہ میری یہ کاوش محمد و آلِ محمد علیھم السلام، صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین، فرزندِ فاطمیؑ و دیگر شہدائے کربلاؑ کے حضور قبولیت کا شرف پائے۔

سید شاہ زمان عباس شمسی

ابواب بندی

نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر

باب اوّل:

سلام نگاری_ تمہیدی مباحث -- ۱

باب دوم:

اردو میں سلام نگاری کی روایت -- ۲۷

باب سوم:

پاکستان میں سلام نگاری (۱۹۴۷ سے ۲۰۰۰ تک) ---------------------------- ۵۸

باب چہارم:

پاکستان میں سلام نگاری (۲۰۰۰ سے تا حال) ---------------------------- ۹۲

ماحصل -- ۱۵۰

مصادر و مراجع -- ۱۵۵

تفصیل ابواب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

باب اوّل:

سلام نگاری_ تمہیدی مباحث ---------------------------- ۱

۱. وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کی تعریف ---------------------------- ۴

۲. سلام پڑھنے کا طریقہ ---------------------------- ۴

۳. صلوٰۃ وسلام کی اہمیت ---------------------------- ۴

۴. درود وسلام کا مقصد اور امتیازی خصوصیت ---------------------------- ۵

۵. حضور علیہ السلام ہمارا درود وسلام خود سنتے ہیں ---------------------------- ۵

۶. پتھروں کا درود وسلام ---------------------------- ۶

۷. قرآن پاک میں سلام ---------------------------- ۷

۸. (ب) سلام کا لغوی واصطلاحی مفاہیم ---------------------------- ۱۲

۹. (ج) سلام سے متعلقہ فکری مباحث ---------------------------- ۱۳

۱۰. (د) سلام کا جائزہ ---------------------------- ۱۵

۱۱. صاحب سلامت ---------------------------- ۲۲

باب دوم:

اردو میں سلام نگاری کی روایت ---------------------------- ۲۷

۱. محمد قلی قطب شاہ (۱۵۶۵ء۔۱۶۱۲ء) ---------------------------- ۳۱

۲. ابو القاسم مرزا (۱۷۲۲ء۔۱۸۳۵ء) ---------------------------- ۳۲

۳. ملا وجہی (وفات ۱۶۳۵ء) ---------------------------- ۳۶

۴. نعیم ---------------------------- ۳۴

۵. سلطان عبد اللہ قطب شاہ (۱۶۱۴ء۔۱۶۷۴ء) ---------------------------- ۳۴

۶. ولی دکنی (۱۶۶۷ء۔۱۷۰۷ء) ---------------------------- ۳۵

۷. درگاہ قُلی خان(۱۷۰۸ء۔۱۷۶۶ء)------------------ ۳۶

۸. (الف)اولین شعراء کی سلام نگاری------------------ ۳۷

۹. یکرو(وفات ۱۷۵۲ء)------------------ ۳۷

۱۰. میر ضاحک(۱۷۰۷ء۔۱۸۸۲ء)------------------ ۳۷

۱۱. مرزا محمد رفیع سودا(۱۷۰۷ء۔۱۷۸۱ء)------------------ ۳۸

۱۲. آفتاب(۱۷۱۸ء۔۱۸۰۶ء)------------------ ۳۹

۱۳. میر تقی میر (۱۷۲۳ء۔۱۸۱۰ء)------------------ ۳۹

۱۴. میر حسن(۱۷۲۳ء۔۱۷۸۶ء)------------------ ۴۰

۱۵. مرزا غالب(۱۷۹۷ء۔۱۸۶۹ء)------------------ ۴۰

۱۶. داغ دہلوی(۱۸۳۱ء۔۱۹۰۵ء)------------------ ۴۱

۱۷. (ب)متوسطین کی سلام گوئی------------------ ۴۲

۱۸. چھنولال دلگیر لکھنوی(۱۷۸۳ء۔۱۸۴۸ء)------------------ ۴۳

۱۹. مصحفی ہمدانی(۱۷۴۷ء۔۱۸۲۴ء)------------------ ۴۴

۲۰. ناسخ(۱۷۷۳ء۔۱۸۳۹ء)------------------ ۴۵

۲۱. فصیح(۱۷۷۲ء۔۱۸۵۳ء)------------------ ۴۵

۲۲. میر انیس(۱۸۰۳ء۔۱۸۷۴ء)------------------ ۴۶

۲۳. مرزا دبیر(۱۸۰۳ء۔۱۸۷۵ء)------------------ ۴۷

۲۴. محمد واجد علی شاہ اختر(۱۸۲۳ء۔۱۸۸۷ء)------------------ ۴۷

۲۵. (ج)متاخرین کی سلام گوئی------------------ ۴۹

۲۶. میر اُنس(۱۸۰۸ء۔۱۸۹۲ء)------------------ ۴۹

۲۷. میر رئیس(۱۸۲۵ء۔۱۸۹۱ء)------------------ ۴۹

۲۸. امیر مینائی(۱۸۲۹ء۔۱۹۰۰ء)------------------ ۵۰

۲۹. مرزا اوج------------------ ۵۰

۳۰. عروج(۱۸۶۵ء۔۱۹۳۰ء)------------------ ۵۰

۳۱. حسرت موہانی(۱۸۷۵ء۔۱۹۵۱ء)------------------------------ ۵۱
۳۲. امام احمد رضا خان بریلوی(۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء)---------------------- ۵۲

باب سوم:

پاکستان میں سلام نگاری(۱۹۴۷سے ۲۰۰۰تک)--------------- ۵۸
۱. (الف)سلام بحضور سرور کونین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ------------------------ ۶۱
۲. ماہر القادری(۱۹۰۷ء۔۱۹۷۸ء)-------------------------------- ۶۱
۳. اطہر نفیس(۱۹۳۳ء۔۱۹۸۰ء)------------------------------ ۶۳
۴. سید محمد وجیہ السیما عرفانی(۱۹۲۰ء۔۱۹۹۱ء)------------------------ ۶۴
۵. اعظم چشتی(وفات ۱۹۹۳ء)-------------------------------- ۶۶
۶. محمد علی ظہوری(۱۹۳۲ء۔۱۹۹۹ء)---------------------------- ۶۷
۷. حافظ لدھیانوی(۱۹۲۰ء۔۱۹۹۹ء)---------------------------- ۶۸
۸. علامہ صائم چشتی(۱۹۳۲ء۔۲۰۰۰ء)-------------------------- ۷۰
۹. (ب)سلام بحضور امام عالی مقام علیہ السلام-------------------- ۷۳
۱۰. ناصر کاظمی(۱۹۲۵ء۔۱۹۷۲ء)------------------------------- ۷۴
۱۱. نجم آفندی(۱۸۹۳ء۔۱۹۷۵ء)------------------------------ ۷۵
۱۲. سید آلِ رضا(۱۸۹۶ء۔۱۹۷۸ء)------------------------------ ۷۶
۱۳. جوش ملیح آبادی(۱۸۹۸ء۔۱۹۸۲ء)---------------------------- ۷۹
۱۴. نسیم امروہوی(۱۹۰۸ء۔۱۹۸۷ء)---------------------------- ۸۰
۱۵. ڈاکٹر مسعود رضا خاکی(۱۹۲۶ء۔۱۹۸۸ء)---------------------- ۸۱
۱۶. قیصر بارہوی(۱۹۲۸ء۔۱۹۹۴ء)---------------------------- ۸۶
۱۷. غلام محمد قاصر(۱۹۴۴ء۔۱۹۹۹ء)---------------------------- ۸۷

باب چہارم:

پاکستان میں سلام نگاری(۲۰۰۰ءسے تاحال)----------------- ۹۲

۱.	**(الف)سلام بحضور سرور کونینؐ**	۹۴
۲.	حفیظ تائب(۱۹۳۳ء۔۲۰۰۴ء)	۹۴
۳.	حنیف اسعدی(۱۹۱۶ء۔۲۰۰۵ء)	۹۵
۴.	مظفر وارثی(۱۹۳۳ء۔۲۰۱۱ء)	۹۷
۵.	ادا جعفری(۱۹۲۴ء۔۲۰۱۵ء)	۹۸
۶.	ارشد صابری(وفات ۲۰۱۶ء)	۱۰۰
۷.	ریاض حسین چودھری(۱۹۴۱ء۔۲۰۱۷ء)	۱۰۱
۸.	امیر نواز امیر(۱۹۴۲ء۔۲۰۱۷ء)	۱۰۳
۹.	علامہ ابوالامتیاز مسلم(۱۹۲۲ء۔۲۰۱۷ء)	۱۰۵
۱۰.	اعجاز رحمانی(۱۹۳۶ء۔۲۰۱۹ء)	۱۰۷
۱۱.	گستاخ بخاری(۱۹۵۰ء۔۲۰۲۰ء)	۱۰۸
۱۲.	آثم فردوسی	۱۱۰
۱۳.	حافظ محمد عبد الجلیل(پیدائش ۱۹۵۸ء)	۱۱۱
۱۴.	صبیح رحمانی(پیدائش ۱۹۶۵ء)	۱۱۲
۱۵.	پروفیسر ریاض قادری(پیدائش ۱۹۶۵ء)	۱۱۴
۱۶.	مسعود چشتی(پیدائش ۱۹۶۸ء)	۱۱۵
۱۷.	اشفاق احمد غوری(پیدائش ۱۹۷۰ء)	۱۱۶
۱۸.	منظر پھلوری(پیدائش ۱۹۷۳ء)	۱۱۸
۱۹.	مبشر حسین فیضی(پیدائش ۱۹۷۵ء)	۱۱۹
۲۰.	نصیر احمد اختر	۱۲۰
۲۱.	راشد آفریں	۱۲۱
۲۲.	محمد آصف قادری	۱۲۱
۲۳.	ساجد ڈھلوں	۱۲۲
۲۴.	**(ب)سلام بحضور امام عالی مقام علیہ السلام**	۱۲۳

۲۵. پروفیسر سردار نقوی(۱۹۴۱ء۔۲۰۰۱ء)------------------------- ۱۲۳
۲۶. پیر نصیر الدین نصیر گولڑہ شریف(۱۹۴۹ء۔۲۰۰۹ء)---------------- ۱۲۴
۲۷. شاہد نقوی(۱۹۱۶ء۔۲۰۱۱ء)---------------------------------- ۱۲۵
۲۸. وحید الحسن ہاشمی(۱۹۳۰ء۔۲۰۱۱ء)---------------------------- ۱۲۷
۲۹. پروفیسر سمیع اللہ قریشی(۱۹۳۲ء۔۲۰۱۱ء)------------------------ ۱۲۹
۳۰. مشکور حسین یاد(۱۹۲۵ء۔۲۰۱۷ء)------------------------------ ۱۳۰
۳۱. ساحر لکھنوی(۱۹۳۱ء۔۲۰۱۹ء)--------------------------------- ۱۳۱
۳۲. خورشید بیگ میلسوی(۱۹۴۷ء۔۲۰۲۰ء)-------------------------- ۱۳۳
۳۳. گستاخ بخاری(۱۹۵۰ء۔۲۰۲۰ء)-------------------------------- ۱۳۴
۳۴. نصیر ترابی(۱۹۴۵ء۔۲۰۲۱ء)--------------------------------- ۱۳۵
۳۵. حسن عسکری کاظمی(پیدائش ۱۹۳۱ء)---------------------------- ۱۳۷
۳۶. ڈاکٹر ہلال نقوی(پیدائش ۱۹۵۰ء)------------------------------ ۱۳۸
۳۷. اکرم سعید اکرم(پیدائش ۱۹۵۱ء)------------------------------ ۱۳۹
۳۸. عبد الغنی تائب(پیدائش ۱۹۵۴ء)------------------------------ ۱۴۰
۳۹. طاہر ناصر علی(پیدائش ۱۹۵۹ء)------------------------------ ۱۴۱
۴۰. تبسم قادری(پیدائش ۱۹۶۸ء)--------------------------------- ۱۴۳
۴۱. سید کامی شاہ-- ۱۴۴
۴۲. واجد امیر-- ۱۴۴
ما حصل--- ۱۵۰
مصادر و مراجع--- ۱۵۵

باب اوّل

سلام نگاری_ تمہیدی مباحث

باب اوّل

سلام نگاری_ تمہیدی مباحث

سلام میں جذبہ وخلوص اور عقیدت و احترام کا بیان بنیادی اہمیت کے حامل ہے۔ یہ ایک ایسی معطر فضا ہے کہ جس کا تعلق اخلاقی صفات اور انسان کے تزکیہ نفس سے ہے۔ یہ ایک ایسا گلشنِ علوم ہے کہ جس کے باعث مسلمانوں کے مابین امن و سلامتی کی فضا کو قائم کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ دیانت اور صداقت سے متعلق جذبات کی تحریک کا نام ہے اسی لیے یہ انسان کو متعصبانہ رویوں سے پاک کر دیتی ہے۔ عقیدت اور سلام آپس میں لازم وملزوم ہیں بلکہ راقم الحروف تو یہاں تک کہنے کو تیار ہے کہ اس دنیا کی بلند و بالا عمارت کی پہلی اینٹ ہی عقیدت پر رکھی گئی ہے۔ جب کوئی سلام نگار اپنی عقیدت کی سیڑھی سے شریعت کے کشادہ بام پر آتا ہے تو اس کے قلب میں فیضان اور دماغ میں آگہی کے چودہ چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ عشق خدا، عشقِ رسول، عشقِ اہل بیت اور عشقِ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سلام کی کائنات کے سورج، چاند اور ستارے ہیں اور جب محبت کے جذبات لفظوں کا لباس پہن کر سلام کی شکل میں آتے ہیں تو تاثیر کی کرنیں اپنی روشنی سے ہمارے قلوب و اذہان کو منور کر دیتی ہیں اور ایک ایسا عالمِ محسوسات تشکیل کرتی ہیں جو روحانی احساس کی صورت میں ہماری داخلی کیفیات کو پاکیزہ کر دیتی ہیں۔ درج بالا اخلاقی قدروں کے پیشِ نظر یہ یاد رکھا جائے کہ صادق جذباتِ عالیہ ہی سلام نگاری میں جزوِ خاص کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رقتِ قلبی کی کیفیت انسانی وجود میں اس وقت منتقل ہوتی ہے جب وہ محبت کی شدت کے باعث پوری یکسوئی سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور بزرگانِ دین کا تصور کر کے ان پر سلام بھیجتا ہے اس سلسلے میں قرآن پاک کی آیت ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَه يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا[۱]

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب آیت مبارکہ کا نزول ہوا تو پیغمبر اکرم کا چہرہ مبارک خوشی سے انار کے دانے کی طرح سرخ ہو رہا تھا میں نے آنحضرت ﷺ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے مبارک باد دو کیونکہ میرے لیے ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو میرے نزدیک دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ پھر آپ نے اس آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی ہم نے عرض کیا کہ ہمیں اس حقیقت سے آگاہ فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے مجھ سے ایک راز کی بات پوچھی ہے اگر نہ پوچھتے تو میں کبھی بیان نہ کرتا۔ پس جان لو کہ خداوند تعالیٰ نے دو فرشتے مامور کیے ہیں تاکہ جو مومن میرا نام سن کر مجھ پر درود بھیجے تو اس وقت کہیں غفر اللہ لک (خدا تجھے بخش دے) پھر تمام فرشتے آمین کہتے ہیں۔ اور جس شخص کے پاس بھی میرا نام لیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے تو وہ فرشتے کہتے ہیں لا غفر اللہ لک (خدا تیری مغفرت نہ کرے) تمام فرشتے تیری آمین کہتے ہیں۔

ڈاکٹر علامہ طاہر القادری اپنی کتاب درود و سلام اور عظمت مصطفیٰ میں لکھتے ہیں کہ ''سورت الاحزاب کی مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اوراس کے تمام فرشتے حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں پھر مومنوں کو حکم ہوتا ہے کہ اے ایمان والو!تم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی عظمت و شان، علو مرتبت اور مقام رفیع پر درود بھیجو جس کے اظہار کے لیے یہ آیت نازل کی گئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنا اور ملائکہ کا عمل بیان فرمایا، پھر ہمیں حکم دیا کہ اے ایمان والو!تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو سیدنا آدمؑ کی عظمت کے اظہار کے لیے جو عمل منتخب کیا اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ خود شریک نہ ہوا یہ عمل فرشتوں سے کروایا۔ مگر جب اپنے محبوب کی عظمت و شان بیان کرنے کا وقت آیا تو دنیا والوں کو واضح طور پر مطلع کر دیا کے سنو!میرے محبوب کی شان ملاء اعلیٰ میں کیا ہے، وہاں پر ایک ہی ذکر ہوتا ہے جو اللہ بھی کرتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ یہ بات بڑی اہمیت کے حامل ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تو اپنا ذکر نہیں کرتا اور نہ ہی تسبیح بیان کرتا ہے بلکہ وہ صرف ایک ہی ذکر کرتا ہے جس سے متعلق قرآن حکیم میں واضح طور پہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا ذکر بلند کرتا ہے''۔ (۲)

کوئی عمل اور عبادت ایسی نہیں جس کا قبول ہونا حتمی اور قطعی ہو جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، صدقہ و خیرات، جہاد و دیگر اعمال صالحہ کی قبولیت میں شبہ ہو سکتا ہے، چاہے اللہ قبول کرے یا نہ کرے مگر درود و سلام ایسا عمل ہے جو ہر طرح سے قابلِ قبول ہے۔ ادھر درود پڑھنے والا درود پڑھتا ہے ادھر اسی لمحے اسے شرفِ قبولیت بخشا جاتا ہے۔

فاسق و فاجر اور گناہ گار کا کوئی اور نیک عمل تو رَد ہو سکتا ہے مگر درود و سلام ہر گز رَد نہیں ہوتا کیونکہ اس کا عامل اس کی اپنی ذات نہیں بلکہ خدا کی ذات ہوتی ہے اسی لیے یہ قابلِ قبول ہے، جیسے نماز پڑھنا اُس کا حکم ہے اور اس کا قائم کرنا ہم پر فرض ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ یا اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں مگر درود شریف پڑھنے سے متعلق ارشاد فرمایا گیا کہ اے ایمان والو تم (بھی) اُن پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

اگر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام عبادات پر نگاہ دوڑائیں تو ہمیں کوئی عبادت ایسی دکھائی نہیں دیتی جس کی قبولیت کا کامل یقین ہو جبکہ درود و سلام ایک ایسی عبادت اور ایسا نیک عمل ہے جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔ اسی طرح عبادات کے لیے مخصوص حالت، وقت، جگہ اور طریق کار کا ہونا ضروری ہوتا ہے جبکہ درود و سلام جس حال میں اور جس جگہ پر بھی پڑھا جائے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عاشقان مصطفیٰ ﷺ اپنی تمام تر عبادات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے وقت اول و آخر درود و سلام کا زینہ سجا دیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے نام کے صدقے ان کی بندگی اور عبادت کو قبول فرما لے۔

> "ہم سے یحییٰ بن جعفر نے بیان کیا کہا ہم سے عبد الرزاق نے انہوں نے معمر سے انہوں نے ہمام سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی

صورت پر بنایا ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا تھا جب اللہ تعالیٰ ان کو بنا چکا تو فرمایا جا وہ فرشتوں کا گروہ ہے ان کو سلام کر اور سن وہ تجھ کو کیا جواب دیتے ہیں وہی جواب تیرا اور تیری اولاد کا رہے گا، آدم گئے اور فرشتوں سے کہا، السلام علیکم انہوں نے جواب دیا السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ تو رحمۃ اللہ کا لفظ بڑھایا اب آدم کی اولاد میں جتنے آدمی بہشت جائیں گے وہ آدم ہی کی صورت قد و قامت پر ہوں گے (ساٹھ ساٹھ ہاتھ لمبے) آدم کے بعد سے پھر خلقت کا قد و قامت کم ہوتا گیا اب تک ایسا ہی ہوتا رہا۔"(۳)

وَسَلِّمُوا تَسْلِيْمًا کی تعریف

وَسَلِّمُو سے مراد سلام ہے سلام کا لفظ دو معانی رکھتا ہے۔ ایک ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا جس کے لیے ہم اردو میں لفظ سلامتی بولتے ہیں۔ دوسرے صلح اور عدم مخالفت یعنی اس طرح تسلیم کرنا جیسا کہ تسلیم کا حق ہے بعض علمائے اہل سنت کے نزدیک نبیؐ کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو جبکہ بعض دوسرا مطلب یہ لیتے ہیں کہ تم پوری طرح دل و جان سے اُن کا ساتھ دو اُن کی مخالفت سے پرہیز کرو اور اُن کے سچے فرماں بردار بن کے رہو۔

حضرت ابن عبد السلام بیان فرماتے ہیں کہ **تسلیمو** کے بعد **تسلیما** کا لفظ صرف سلام پر زور دینے کے لیے ہے لیکن ابن الحاج زبیدی فرماتے ہیں کہ یہ لفظ تعظیم کے طور پہ بیان کیا گیا ہے۔(۴)

سلام پڑھنے کا طریقہ

اگر کوئی شخص روضۂ اطہر سے دور اس تصور کے ساتھ سلام پڑھے کہ حضور اکرم علیہ السلام اس کو سن رہے ہیں یا دیکھ رہے ہیں یا اس مجلس میں تشریف فرما ہیں، تو اس طرح کا عقیدہ یقیناً گمراہی ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ فرشتے اس درود کو پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں پیش کریں گے، تو اس میں حرج نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ سلم پر سلام بھیجنا فی نفسہ باعثِ ثواب ہے؛ لیکن غیر منقول الفاظِ درود مخصوص ہیئت کے التزام کے ساتھ پڑھنا اور اس عقیدے کے ساتھ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس میں سلام کو سن رہے ہیں، بدعت اور گمراہی ہے اور یہ کہنا کہ سلام اُس کو کیا جائے، جو سنے، مطلقاً صحیح نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا صحیح احادیث سے ثابت ہے، فرشتے اس کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں، نبی اکرم اپنی قبر اطہر میں اعلیٰ درجہ کی حیات کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔(۵)

صلوٰۃ و سلام کی اہمیت

حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں بہت سے احکامات ارشاد فرمائے، بہت سے انبیائے کرام کی توصیفیں اور تعریفیں بھی فرمائیں، ان کے اعزاز و اکرام بھی فرمائے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان کو سجدہ کیا

جائے لیکن کسی اعزاز واکرام میں یہ نہیں فرمایا کہ میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی کرو۔ یہ اعزاز واکرام صرف سید الکونین فخر دوعالم ہی کیلئے ہے کہ اللہ جل شانہ نے صلوٰۃ کی نسبت اولاً اپنی طرف اور اس کے بعد اپنے پاک فرشتوں کی طرف کرنے کے بعد مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں، اے مومنوں! تم بھی صلوٰۃ وسلام بھیجو۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو گی کہ اس عمل میں اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ مومنین کی شرکت ہے۔ آیت کریمہ میں لفظ "انَّ" "تاکید پر دلالت کرتا ہے اور "یصلون" صیغہ مضارع کے ساتھ دوام پر، یعنی قطعی چیز ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتے ہمیشہ صلوۃ بھیجتے رہتے ہیں نبی پر۔ (۶)

اس آیت کی تفسیر میں سید حماد رضا بخاری، حضرت ابنِ کثیر کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ''اس میں اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں پر ظاہر کیا ہے کہ ان کے نزدیک اپنے پیارے حبیب کا کیا رتبہ ہے اور کیا شان ہے کہ اللہ جل شانہ اور ملائکہ مقربین ملاء اعلیٰ میں آپ کی کیا ثنا کرتے ہیں پھر ملاء سفلیٰ میں اسی درود کا حکم فرمادیا تاکہ عالم علوی سے عالم سفلی تک ہر جگہ آپ کی تعریف اور ثنا سے گونج اُٹھے اور زمین و آسمان کے درمیان ساری فضا محبوبیت اور رفعت شان محبوب سے معطر اور منور ہو جائے''۔ (۷)

درود وسلام کا مقصد اور امتیازی خصوصیت

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ درود وسلام اگرچہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا ہے لیکن جس طرح کسی دوسرے کیلئے دعا کرنے کا اصلی مقصد اس کو نفع پہنچانا ہوتا ہے، اس طرح رسول اللہ پر درود وسلام بھیجنے کا مقصد آپ کی ذات پاک کو نفع پہنچانا نہیں ہوتا۔ ہماری دعاؤں کی آپ کو قطعاً کوئی احتیاج نہیں۔ بادشاہوں کو فقیروں، مسکینوں کے تحفوں اور ہدیوں کی کیا ضرورت! بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد وتسبیح کے ذریعہ اپنی عبدیت اور عبودیت کا نذرانہ اس کے حضور میں پیش کریں اور اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ وہ خود ہماری ضرورت ہے اور اس کا نفع ہم ہی کو پہنچتا ہے، اس طرح رسول اللہؐ کے محاسن وکمالات، آپ کی پیغمبرانہ خدمات اور امت پر آپ کے عظیم احسانات کا یہ حق ہے کہ امتی آپ کے حضور میں عقیدت ومحبت اور وفاداری اور نیازمندی کا ہدیہ اور ممنونیت وسپاس گزاری کا نذرانہ پیش کریں۔ اسی کیلئے درود وسلام کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا۔ درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوص دل سے اس کی کثرت اللہ تعالیٰ کی خاص نظر رحمت، رسول اللہ کے روحانی قرب اور آپ کی خصوصی شفقت وعنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ (۸)

حضور علیہ السلام ہمارا درود وسلام خود سنتے ہیں

بعض لوگ فرشتوں کا حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں درود وسلام پہنچانا بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ خود نہیں سنتے اگر سنتے ہوتے تو فرشتے کیوں کر مقرر کیے جاتے اگر اس مؤقف پر قائم رہے تو عرض کروں

کہ ذرا اللہ تعالیٰ کی طرف بھی دھیان کریں اس نے بھی کراماً کاتبین کو ہر بندے کے اوپر متعین فرمایا ہوا ہے کہیں تمہارے اس خطرناک مؤقف کی زد میں خدا کی خدائی تو نہیں آرہی؟ ذرا غور سے دیکھ لیں۔

فرشتوں کو درود و سلام پہنچانے پر اس لیے نہیں مقرر کیا ہوا کہ حضور علیہ السلام خود نہیں سنتے یا سن نہیں سکتے کیا آپ کے گھر مہمان آجائے تو وہ خود اپنی تواضع کی چیزیں فریج سے نکال نکال کر کھاتا رہتا ہے یا تم اس کو کرسی پر بٹھا کر میز سامنے رکھ کر پیش کرتے ہو اور اگر ایسا کرتے ہو اور یقیناً ایسا ہی کرتے ہوگے تو کیا اس وقت آپ کو کبھی خیال آیا کہ یہ خود اٹھ نہیں سکتا چل کر فریج کی طرف جا نہیں سکتا بس حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے۔

اگر چل کر فریج کی طرف نہیں جا سکتا تو اتنی دور سے چل کر تمہارے گھر کیسے آسکتا ہے؟ تو دراصل یہ سب کچھ اس کی عزت میں ہو رہا ہے اور آپ کر رہے ہیں اس طرح حضور علیہ السلام امت کا درود و سلام خود سنتے ہیں بلکہ جواب بھی دیتے ہیں مگر فرشتوں کو یہ خدمت سونپ دی گئی ہے تا کہ حضور تشریف فرما رہیں اور فرشتے آپ کی امت کا نذرانہ محبت آپ کی خدمت میں پیش کرتے رہیں۔

یا رسول اللہ تیرے در کی فضاؤں کو سلام

گنبدِ خضرا کی ٹھنڈی ٹھنڈی فضاؤں کو سلام [۹](الیاس قادری)

حدیث شریف ہے کے میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے۔ جو جنت کی سیر کرتے ہوئے مکہ میں چلنے والے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قدموں کی آواز سن سکتے ہیں۔ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن اطہر میں لوح محفوظ پر چلتے قلم کی آواز سن سکتے ہیں۔ وہ زمیں پہ رہ کر زمین پہ رہنے والے امتی کا درود و سلام کیوں نہیں سن سکتے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں محبت والوں کا درود و سلام خود سنتا ہوں اور ان کو پہچانتا بھی ہوں قرآن پاک اللہ نے فرمایا کہ یہ کان تمہارے فائدے کے لیے ہیں یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کہ کوئی سلام علیٰ نجد کہہ کے دل کو خوش کر رہا ہے اور ہم اللہ کے محبوب پر سلام پڑھ کے دل کو ٹھنڈک پہنچا رہے ہیں۔[۱۰] ہمارے تو دم میں جب تک دم ہے اپنے نبی کی بارگاہ میں درود و سلام کا سلسلہ جاری رکھیں گے بلکہ ہمیں تو قبر میں بھی سرکار کی آمد پر درود و سلام پڑھنے کی تیاری کر رکھی ہے کیونکہ آپ کا نام آنے پر درود و سلام پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے تو جب آپ خود تشریف لائیں گے تو پھر کیوں نہ پڑھیں گے؟

پتھروں کا درود و سلام

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں آج بھی اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو اعلان نبوت سے پہلے مجھ پر درود و سلام بھیجا کرتا تھا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ جارہا تھا آپ جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو سلام کہتا ثابت ہوا کہ پتھر بھی حضور علیہ السلام پر درود و سلام پڑھتے ہیں اور حضور کو بھی پہچانتے ہیں تو کیا ہم اگر محبت و خلوص سے درود و سلام پڑھیں گے تو ہمیں نہ پہچانیں گے؟ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ

چالیس سال کے بعد نبی نہیں بنے جیسا کہ مودودی صاحب نے لکھا کہ آپ اس وقت کے نبی ہیں جب آدم علیہ السلام کا خمیر مٹی اور پانی سے تیار کیا جارہا تھا۔ حضور علیہ السلام نے اللہ کی قسم اٹھا کر حضرت جبریل امین علیہ السلام سے فرمایا کہ جو ستارہ ستر ہزار کے بعد چمکتا تھا اور تو نے اس کو بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے خدا کی قسم وہ ستارہ تو میں ہی ہوں۔

لوگ حکم کے باوجود نہ درود و سلام پڑھتے ہیں نہ پڑھنے دیتے ہیں قربان پتھروں پہ جو بغیر حکم و دلیل کے درود و سلام پڑھ رہے ہیں۔ کہیں پتھر پڑھ رہے ہیں اور کوئی مفسر منع کر رہے ہیں وہ پتھر ہو کر بار بار پڑھ رہا ہے اور نہ پڑھنے والوں کو، منع کرنے والوں کو ذلیل اور شرمندہ کر رہا ہے کہ تم صلو علیہ و سلمو تسلیما کے حکم کے باوجود نفرت کر رہے ہو دیکھو میں بغیر کسی حکم کے اپنی طبیعت کے تقاضے سے کس قدر محبت کر رہا ہوں۔

بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ ہر امتی کا درود اُس کے نام کے ساتھ رسول اللہ تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ اس میں اہل ایمان کیلئے کس قدر خیر ور حمت وبرکات ہیں اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کیلئے سخت وعیدیں ہیں۔ ان احادیث کی بناء پر فقہاء اس کے بھی قائل ہیں کہ جب آپ کا ذکر کرے یا سنے تو اس وقت آپ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ ایک سلسلہ کلام میں بار بار آپ کا ذکر آئے تو ہر بار درود پڑھنا واجب ہو گا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ایک بار پڑھنا واجب ہو گا اور ہر بار پڑھنا مستحب ہو گا۔ محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۱۱)

قرآن پاک میں سلام

وَإِذَا حُيِّيْتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّواْ بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا (النساء:۸۶) (۱۲)

(اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انھیں الفاظ کو لوٹا دو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلام اور جوابِ سلام کے آداب بتائے ہیں۔

حیّاہُ، تحیةً کے اصل معنی ہیں: کسی کو زندگی کی دعا دینا، مثلا: حیّاک اللّٰہُ (اللہ آپ کی عمر دراز کرے) کہنا، سلام اور اس کے ہم معنی دوسرے دعائیہ کلمات بھی چوں کہ کم و بیش یہی یا اسی سے ملتے جلتے مفہوم اپنے اندر رکھتے ہیں، اس وجہ سے لفظ کے عام مفہوم میں وہ سب اس کے اندر شامل ہو جاتے ہیں، اسلام نے حیّاک اللّٰہ یا اَنعم صباحاً جیسے طرزِ تحیہ کو بدل کر "السلام علیکم" کہنے کا طریقہ جاری کیا؛ چناں چہ جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ یہاں تحیہ سے مراد سلام کرنا ہے۔

اس آیت میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا حکم ہے، اور حسنِ اخلاق و معاشرت کی اس اصل پر زور دیا ہے کہ جب کبھی کوئی شخص تمہیں سلام کرے، تو چاہیے کہ اس نے جو کچھ کہا ہے، اس سے بہتر طور پر اس کا جواب دو، اور اگر بہتر طور پر نہ دو تو کم از کم اسی کی بات اس پر لوٹا دو، یہ حکم یہاں اس مناسبت سے آیا کہ جنگ کی حالت ہو یا امن کی، منافق ہو یا

ایمان دار؛ لیکن جو کوئی بھی تم پر سلامتی بھیجے، تمہیں بھی اس کا ویسا ہی جواب دینا چاہیے، اس کے دل کا حال خدا جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا (النور:۲۷)(۱۳)

(اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو؛ جب تک اجازت حاصل نہ کرلو (اور اجازت لینے سے پہلے) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔)

یعنی اول باہر سے سلام کر کے پھر ان سے پوچھو کہ کیا ہمیں اندر آنے کی اجازت ہے اور بغیر اجازت لیے ایسے ہی مت داخل ہو، یعنی کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لیے دو کام کرنا ضروری ہیں اول کام استیناس یعنی اجازت لینا اور دوسرا گھر والوں کو سلام کرنا۔

فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتاً فَسَلِّمُوا عَلَى أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً (النور:۶۱)(۱۴)

جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو (یعنی وہاں جو مسلمان ہوں ان کو) سلام کر لیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر (ہے) اور جو خدا کی طرف سے متعین ہے۔ اس آیت میں گھریلو معاشرت کی جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ آمد و رفت کے وقت اہل خانہ کے ساتھ کیسا معاملہ ہونا چاہیے۔

وَإِذَا جَاءكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلاَمٌ عَلَيْكُمْ (الانعام:۵۴)(۱۵)

(اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان کو سلام علیکم کہیے۔)

یعنی ان کو سلام کر کے یا ان کے سلام کا جواب دے کر ان کی تکریم اور قدر افزائی کریں،

یہاں سلام علیکم کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ ان کو اللہ جل شانہ کا سلام پہنچا دیجیے، جن میں ان لوگوں کا انتہائی اعزاز واکرام ہے، اس صورت میں ان غریب مسلمانوں کی دل شکنی کا بہترین تدارک ہوگیا، جن کے بارے میں رؤساء قریش نے مجلس سے ہٹا دینے کی تجویز پیش کی تھی اور یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو سلامتی کی خوش خبری سنا دیجیے، کہ اگر ان لوگوں سے عمل میں کوتاہی یا غلطی بھی ہوئی ہے تو وہ معاف کردی جائے گی، اور یہ ہر قسم کی آفات سے سلامت رہیں گے۔

سَلاَمٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد:۲۴)

سورہ رعد کی آیات ۲۰ تا ۲۴ میں اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندوں کی نوصفات کا تذکرہ ہے، اس کے بعد ان کی جزاء کا بیان ہے، اخیر میں، دارِ آخرت میں ان کی فلاح وکامیابی کا مزید بیان یہ ہے کہ فرشتے ہر دروازے سے ان کو سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے اور کہیں گے تمہارے صبر کی وجہ سے تمام تکلیفوں سے سلامتی ہے اور کیسا اچھا انجام ہے دار آخرت کا۔

سَلَامٌ قَوْلاً مِن رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یس:۵۸)

اور ان کو (اہل جنت) پروردگار مہربان کی طرف سے سلام فرمایا جائے گا (یعنی حق تعالیٰ فرمائیں گے **السلام علیکم یا أہل الجنة** (رواہ ابن ماجۃ) (معارف القرآن:۷/۴۰۰)

تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلَامٌ (یونس:۱۰)

پھر جب (اہل جنت) ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو ان کا باہمی سلام یہ ہو گا السلام علیکم

"مفسر اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل جنت کا حال بتایا گیا ہے کہ **تحیتهم فیها سلٰم**، تحیہ عرف میں اس کلمہ کو کہا جاتا ہے، جس کے ذریعہ کسی آنے والے یا ملنے والے شخص کا استقبال کیا جاتا ہے جیسے سلام یا "خوش آمدید" یا "**أہلا وسهلا**" وغیرہ، اس آیت نے بتادیا کہ اللہ جلّ شانہ کی طرف سے یا فرشتوں کی طرف سے اہل جنت کا تحیہ لفظ سلام سے ہو گا، یعنی یہ خوش خبری کہ تم ہر تکلیف اور ناگوار چیز سے سلامت رہو گے، یہ سلام خود حق تعالیٰ کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے جیسے سورہ یٰس:۵۸ میں ہے **سَلَامٌ قَوْلاً مِن رَّبٍّ رَّحِيْمٍ** اور فرشتوں کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے، جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے: **والملئكة يدخلون عليهم من كل باب سلم عليكم** یعنی فرشتے اہل جنت کے پاس ہر دروازہ سے سلام علیکم کہتے ہوئے داخل ہوں گے اور ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں کہ کسی وقت براہ راست اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے اور کسی وقت فرشتوں کی طرف سے اور سلام کا لفظ اگرچہ دنیا میں دعا ہے لیکن جنت میں پہنچ کر تو ہر مطلب حاصل ہو گا؛ اس لیے وہاں یہ لفظ دعا کے بجائے خوشی کا کلمہ ہو گا۔ (روح المعانی) (معارف القرآن:۴/۵۱۲)

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِيْنَ

(الزمر:۷۳)

یعنی جب متقی لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو محافظ فرشتے ان سے کہیں گے السلام علیکم تم پر سلامتی ہو، تم مزے میں رہو، پس جنت میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ! یعنی ان جنتی مہمانوں کے سر پر عزت وشرافت کا یہ زریں تاج لا محدود زمانے تک کے لیے باندھ دیا جائے گا اور اہل جنت کا یہ استقبال ایک تاریخ ساز استقبال ہو گا، اس آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ ایسے مرحلہ پر خطبۂ استقبالیہ کے قائم مقام یہ الفاظِ سلام ہی قابلِ ترجیح سمجھے گئے، آخر کیوں؟ یقیناً اس میں کوئی خصوصی تاثیر اور معنویت کا عنصر چھپا ہوا ہے؛ جس کی تفصیل ان شاءاللہ آگے آئے گی۔

وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَن سَلَامٌ عَلَيْكُمْ (الاعراف:۴۶)

مذکورہ آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو جہنم سے تو نجات پا گئے مگر ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے البتہ اس کے امیدوار ہیں کہ وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں، ان لوگوں کو اہل اعراف کہا جاتا ہے۔

شیخ ابو ذر دورانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہر عبادت کی قبولیت میں شک ہو سکتا ہے مگر درود و سلام کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کام میں صرف مخلوق ہی شامل نہیں ان اللہ و ملائکتہ بھی ہیں افضال احمد انور صاحب یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

وجہ تکوینِ کائنات سلام

روح کونین کی حیات سلام (۱۶)

اگر اونچی آواز سے پڑھیں تو سنتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ادا ہوتی ہے اور شیطان ہی نہیں بے ایمان بھی بھاگ جاتا ہے کیونکہ وہ ذکرِ الٰہی اونچی آواز سے کرتے تھے اور آہستہ پڑھیں تو سنت صدیق اکبر ہے کیونکہ آپ آہستہ آواز سے ذکرِ الٰہی کرتے اور حضور کی ذات سراپا ذکر الٰہی ہے کھڑے ہو کر پڑھیں تو جنازہ میں کھڑے ہو کر پڑھنے کا انداز یاد آتا ہے بیٹھ کر پڑھیں تو التحیات کی یاد تازہ ہو جاتی ہے چل پھر کر پڑھیں تو آپ کی دعاؤں کا منظر یاد آتا ہے اور جسے کوئی دعا طواف کی نہ آتی ہو بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ سارے طواف میں درود و سلام ہی پڑھتا رہے اس سے بڑی دعا کوئی نہیں۔

شعر و ادب میں ایسے واقعات زیادہ اہم قرار پاتے ہیں جو انسان کی اجتماعی زندگی اور طرزِ معاشرت پر براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔ سلام میں جہاں آنحضور ﷺ کی شانِ فضیلت میں مضامین ملتے ہیں وہیں پر سلام میں شہداء کربلا کو بھی جا بجا خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔ واقعہ کربلا محض ایک تخیلی داستان نہیں ہے، بلکہ اس واقعے میں معاشرتی زندگی گزارنے کے اعلیٰ اقدار مل جائیں گے۔ یہی سبب ہے کہ دوسرے تاریخی واقعات کی بنسبت واقعہ کربلا نے انسانی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ حق گوئی مظلومیت اور باطل کو بے نقاب کرنے کے لیے جہاد کرنا ایسے اعلیٰ اقدار ہیں جنھوں نے نہ صرف یہ کہ معاشروں کو متاثر کیا بلکہ اس کے اثرات ادب و شعر پر بھی مرتسم ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ اعلیٰ قدروں کی ترویج کے لیے کربلا کو استعارہ بنایا گیا اور ان استعاروں اور تلازموں سے نہایت عمدہ اور کار گرشہ پارے تخلیق کیے گئے۔

بالعموم یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ واقعہ کربلا نے مختلف اصناف شعر و ادب کو متاثر کیا بطورِ ثبوت غزل، داستان، افسانہ، مثنوی، ناول، نظم، ناولٹ، اور دیگر اصناف میں سے چیدہ چیدہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعہ کربلا نے محض شعر و ادب کو ہی متاثر نہیں کیا۔ بلکہ اردو شاعری کو متعدد اصناف سے مالا مال بھی کیا۔ آپ سلام، نوحہ اور مرثیہ کا بغور مطالعہ کیجیے اور اس سوال کا کھوج لگائیے کہ کیا واقعہ کربلا کے بغیر ان اصناف کا ظہور میں آنا ممکن تھا؟ صنف مرثیہ وہ ممتاز صنف ہے جس کا خمیر اسی برصغیر میں تیار ہوا اور یہی وہ صنف ہے کہ جس میں اردو کے بیشتر اصناف کے محاسن کا جوہر ملتا ہے۔

اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ مرثیے کی صنف کو برصغیر پاک و ہند سے جو خصوصیت ہے وہ کسی دوسری صنف کو حاصل نہیں ہے۔ سلام و نوحہ بھی مرثیہ کی توسیع ہیں۔ آج بھی مذکورہ اصناف میں واقعہ کربلا کے حوالے سے زندگی بسر

کرنے کے بہترین تصورات مل جائیں گے۔ آپ واقعہ کربلا سے متعلق اصناف کا مطالعہ فرمائیں گے تو آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ ان اصناف میں ایک جانب تو اخلاق حسنہ کے یگانہ نمونے موجود ہیں اور دوسری جانب ان اصناف میں زندگی بسر کرنے کے قرینے موجود ہیں جہاں دینی روایات اور عصری طاقتیں ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتی ہیں۔

انسانی کردار کی تعمیر میں مقدس شخصیتوں کا حصہ زیادہ ہوتا ہے اور عام لوگ انہی شخصیتوں کے حوالے سے ہی صداقتوں کا ادراک کرتے ہیں۔ مقدس شخصیات کے ساتھ ہونے والی قلبی اور روحانی وابستگی کے باوصف انسانی زندگی میں عقیدے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ ایک اور چیز جس نے انسان کی باطنی تہذیب کی ہے شاعری ہے، کیونکہ شاعری ایک ایسی جادوئی لالٹین ہے کہ جس کی کرشمہ کاریاں اندھیرے میں سر چڑھ کے بولتی ہیں یا دوسرے لفظوں میں شاعری نیم مہذب معاشرے میں جنم پاتی ہے۔ جب تخیل الفاظِ مناسب کا لباس پہن کر عالم محسوسات میں قدم رکھتا ہے تو اسے شعر کہتے ہیں۔

شاعری نے بھی انسانوں کی باطنی تربیت و تہذیب کے لیے بہت کام کیا ہے، گو اس کا دائرہ اثر مذہب کے مقابلے میں کم رہا ہے۔ اعتقادات کی قوت اور تاثیر شاعری کی قوت نے انسانوں کی زیادہ بڑی تعداد کو متاثر کیا۔ تاہم ایک صورت یہ بھی تھی کہ شاعری اور عقیدہ دونوں یکجا ہو گئے۔ ایسی صورتوں میں ہمیں عقیدے اور شاعری دونوں کی ملی جلی قوتوں سے سروکار ہوتا ہے۔ تخلیق شعر میں عقیدے کی افادیت بیان کرتے ہوئے پروفیسر احتشام حسین کی یہ رائے ملاحظہ فرمائیے:

> "کوئی شاعری کتنے ہی سرچشموں سے فیض اٹھائے اس کے کلام میں زور، تازگی، جدت، گرمی اور سرمستی کے عناصر اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے۔ جب تک وہ مسائل اور واقعات پر اپنے مخصوص نقطہ نظر سے غور نہ کرتا ہو یہ بات صرف مذہب کے لیے ہی نہیں زندگی کے ہر پہلو کے لیے صحیح کہی جا سکتی ہے کہ اس میں عقیدے کی آگ کا ہونا ضروری ہے ورنہ اس کا اظہار مصنوعی اور بے روح ہو گا۔ یہی ایک اچھے فنکار کی پہچان ہے کہ اس کا موضوع ہی اس کی زندگی اور روح ہو"۔ کسی بھی شاعر کے قریبی ماحول اور فکری تحریکوں کو دیکھتے ہوئے اس کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"(۱۷)

بعض ناقدین اور دانشور تو برملا کہہ دیتے ہیں کہ اعتقادات جتنے بھی مضبوط اور پختہ کیوں نہ ہوں یہ شاعری کی عظمت سے ہمکنار نہیں کر سکتے۔ ناقدین کا دوسرا گروہ شعری روایات میں معتقدات کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے اور احساس دلاتا ہے کہ دنیا کی عظیم شاعری کی بنیاد کسی نہ کسی طرح پر مابعد الطبعیاتی دینی روایات سے جڑی ہوئی ملتی ہیں۔ آپ دیکھیں کہ عظیم شاعری ہو یا تہذیب، اس کا تعلق کسی نہ کسی دینی فکر سے جڑا ملتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ اگر آپ اپنی شاعری کو عظیم تہذیب کی نمائندہ بنانا چاہتے ہیں تو کسی دینی روایت سے جوڑ دیجیے، آپ کی ذات کی تشہیر بھی ہو جائے گی اور آپ کی شاعری میں بھی مثبت معتقدات کی خوشبو آئے گی۔ آپ خود مطالعہ فرمائیے کہ دانش مند شعراء نے اس بصیرت

افروز حقیقت سے آگاہی کے بعد شعوری سطح پر اپنی شاعری کی بنیاد غزل کے برعکس مدحیہ شاعری پر رکھی اور اپنے لیے ایک جداگانہ راستہ منتخب کیا۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ جان گئے تھے کہ غزل کے کردار سحر انگیز تو ہو سکتے ہیں لیکن مقدس اور قابلِ تقلید نہیں ہو سکتے غزل کے کرداروں کا نہ تو شجرہ نسب ہوتا ہے اور نہ کوئی خاندان اس کے مقابلے میں مدحیہ شاعری ایک پاکیزہ خاندان کا خود بھی طواف کرتی ہے اور اپنے شاعر کو بھی اس کا طواف کروا دیتی ہے، ظاہر ہے جہاں محمدؐ و آل محمدؐ جیسے پاکیزہ نفوس دستیاب ہوں وہ قیس و فرہاد کے چکر میں کہاں پڑتا ہے۔

جیسے کہ پہلے گذشتہ صفحات میں یہ معروضہ پیش کیا تھا کہ اردو سلام و نوحہ دراصل اردو مرثیہ کی توسیع ہیں لہٰذا ان اصناف کا مطالعہ مرثیے کے سیاق و سباق کے بغیر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے تاہم ایک بات یہاں پیش نگاہ رہے کہ صنف سلام کو وہ مقبولیت نہ حاصل ہو سکی جس کی وہ مستحق تھی۔ اس صنف کا خمیر بھی چونکہ معتقدات پر تشکیل پایا تھا اس لیے اس میں بھی واقعہ کربلا کے دور رس اثرات جلوہ فگن ہوئے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سید صفدر حسین رقمطراز ہیں:

> "اُردو شعر و ادب میں سلام ایک ایسی صنفِ سخن کا نام ہے جس میں غزل کی عروضی ہئیت کے اندر رسول اکرم ﷺ، آئمہ کرام، اہل بیت اطہار اور خاصانِ خدا کی سیرت اور اُن کے کارناموں کی تشریح و تعبیر بیان کی جاتی ہے۔ خصوصی طور پہ کربلا کے ہیرو حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے اعزہ و انصار کا تذکرہ پیشِ نظر ہوتا ہے ان مقربانِ خدا نے چونکہ حق و صداقت اور دین کی حمایت میں دنیا کی عظیم قربانیاں پیش کی تھیں اس لیے ایسے موضوعات بھی شاعر کے دائرہ فکر میں آجاتے ہیں جن سے اعلیٰ اقدارِ حیات اور محاسنِ انسانی کی ترویج و تبلیغ کا کام لیا جا سکتا ہے۔ گویا "سلام" کے احاطہ خیال میں مسائلِ حیات و کائنات پر بھی تبصرے کی گنجائش ہوتی ہے تاکہ منشائے الٰہی، اُسوہ رسول ﷺ اور فکر اہل بیت کی وضاحت کر کے عمل خیر کی ترغیب دی جا سکے۔ (۱۸)

(ب) سلام کا لغوی و اصطلاحی مفاہیم

"سلام ایک ایسی صنف ہے جو ہئیتِ بحر اور تعدادِ اشعار کے لحاظ سے غزل کا سا انداز رکھتی ہے سلام کے آغاز میں آنحضور ﷺ اہل بیت اطہار اور آئمہ کرام پر درود بھیجا جاتا ہے۔ راقم الحروف کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ تمام لغت نویسوں کے معانی اس مقالے میں پیش کرے تاہم نمائندہ مورخین، ناقدین، محققین، اور لغت نویسوں کے لغوی و اصطلاحی معانی پیش خدمت ہیں۔ علمی لغت کے مؤلف اور ماہرِ لغات وارث سرہندی سلام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"۱۔ تسلیم، آداب، بندگی، کورنش، سلامتی

۲۔ رخصت کرنا، الوداع کرنا

۳۔ بس جائیے معاف کیجیے

۴- نماز کے آخر میں دائیں بائیں منہ پھیرنا

۵- غزل کے انداز میں وہ نظم جس میں واقعات کربلا کا ذکر کیا گیا ہو۔

۶۔ کھڑے ہو کر رسول ﷺ کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنا، سلام پھیرنا نماز ختم کرنا"۔ (۱۹)

السلام علیکم۔ تم پر سلامتی ہو مسلمان جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو یہ کلمہ کہہ کر دعا دیتے ہیں سلام سلامتی، امنیت اور صلح کے معنی میں ہے۔ اسلامی احکام میں اسے عقیدت اور درود بھیجنے کیلئے انتخاب کیا گیا ہے۔ قرآن اور روایات میں سلام کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ کسی کے سلام کا جواب دینا فوراًواجب ہے یہاں تک کہ نماز گزار کیلئے بھی اسکا جواب دینا ضروری ہے۔ اگر کچھ لوگوں کو سلام کیا جائے تو ان میں سے ایک شخص کے جواب دینے سے دوسروں پر جواب دینا واجب نہیں ہے۔ اسلام میں اس کے مخصوص آداب اور احکام بیان ہوئے ہیں نیز قرآن اور روایات میں اس کے متعدد مستعملات ذکر ہوئے ہیں۔

(ج) سلام سے متعلقہ فکری مباحث

سلام گوئی کے ابتداءئی دور میں سلام، سلامی، مجرا، اور مجرائی جیسے اصطلاحی اور علامتی الفاظ کا استعمال پابندی کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ یہ الفاظ سلام گوئی کے طرزِ خاص کا جز سمجھے جاتے تھے اور ان کی موجودگی کسی نظم کے سلام ہونے کی دلیل تصور کی جاتی تھی۔ لیکن یہ سلسلہ انیس و دبیر تک ہی قائم رہا۔ ان دونوں شعراء کے زمانے میں اس طرز میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ مضامین میں جدت کے سلاموں میں غیر رثائی موضوعات کی شمولیت بھی اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی۔

اُردو میں مرثیہ کی ابتداء کے ساتھ ہی سلام گوئی کا آغاز ہوا۔ ابتداء میں سلام کسی مخصوص ہیَت کے پابند نہیں ہوتے تھے۔ مرثیوں کی طرح سلام بھی مختلف ہیَتوں میں نظم کیے جاتے تھے۔ ان کا مقصد حصول ثواب اور کربلا کے شہیدوں کی تعریف و توصیف اور اُن کے غم کو تازہ کر کے سوگواری کی فضا قائم کرنا ہوتا تھا۔

سلام کا بنیادی موضوع اگرچہ مذہبی ہے لیکن ترقی یافتہ دور کے سلاموں میں ایسے اشعار بکثرت ملتے ہیں جن کا براہ راست تعلق مذہب سے ہے نہ جذبہ عقیدت سے اور نہ مدح اہل بیت سے۔ سلاموں میں ایسے بے شمار سلام ملتے ہیں جن کا واقعہ کربلا سے براہِ راست تعلق نہیں ہوتا۔ ترقی یافتہ دور سے پہلے منفردہ کی ہیَت میں مکمل سلام درگاہ قلی خاں کا ملتا ہے اسی کے ساتھ ان کے یہاں دیگر ہیَتوں میں سلام کہے جانے کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

شمالی ہند میں سلاموں کی ابتداءئی نقوش علی جواد زیدی کی تحقیق کے مطابق:

"سلام کی صنف ان اصنافِ شعر میں ہے جو اُردو میں پھلی پھولی عربی میں متفرق
اشعار جو سلام سے موضوعاتی ربط رکھتے ہیں اس زبان کے قصائد میں مل جائیں گے
لیکن ایک جداگانہ صنف کے اعتبار سے عربی میں وجود نہیں۔"(۲۰)

ایرانی فارسی گویوں کے یہاں تلاش سے ہی ملتا ہے لیکن ہندوستان میں بھگتی تحریک اور عقیدت کی عام فضا سے متاثر ہو کر یہاں فارسی گویوں نے سلام کہے ہیں۔ اب سلام مرثیہ کی ذیلی صنف شمار ہونے کی بجائے ایک مکمل اور مستقل ادبی صنف کا درجہ رکھتا ہے۔ سلام میں عقیدت و احترام، محبت و الفت، جذبات و احساسات، تقدس و پاکیزگی کا رنگ غالب رہتا ہے۔ اس سلسلے میں امداد امام اثر کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

" عموماً سلام میں واقعہ کربلا و شہادت امیر المومنین و شہادت امام حسینؑ و مصائب
خاتون جنت و رحلت حضرت رسالت مآب ﷺ کے مضامین داخل رہتے ہیں
اور بھی دیگر امور الم انگیز و حسرت خیز جو خاندان پیغمبر خداؐ سے متعلق ہیں اندراج
پاتے ہیں۔ علاوہ ان کے اخلاقی و تمدنی و مذہبی و دیگر امور جلیلہ جن سے شاعری کی
زینت متصور ہے منظوم کیے جاتے ہیں۔"(۲۱)

ترقی یافتہ دور کے سلاموں میں امداد امام اثر سے تصدیق کی جاسکتی ہے کیونکہ مرثیہ کے موضوعات ایک خاص نکتہ کے ارد گرد ہی گردش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہر طرح کے رثائی اور غیر رثائی موضوعات کی شمولیت کی گنجائش سلام نگاری میں پوری طرح پائی جاتی ہے۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ سلام موضوعی اعتبار سے اور ہئیتی اعتبار سے غزل کے قریب ہے تاہم ناقدین و محققین اس امر پر بھی متفق ہیں کے طویل ارتقائی سفر کے بعد اب صنفِ سلام کا ایک مذاق و مزاج متعین ہو چکا ہے اور یہ صرف اپنے موضوعاتی حوالے سے دوسرے اصناف میں صاف شناخت کی جاسکتی ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس صنف کا موضوعاتی مطالعہ کریں اور ان محاسن کا کھوج لگائیں جو اس صنف سے مخصوص ہیں۔ اردو زبان و ادب کے بیشتر ناقدین و محققین تو کہہ دیتے ہیں سلام کا مواد ہر اس خیال سے ہو جاتا ہے جس میں پاکیزگی نفاست، لطافت، شرافت اور انسانیت کا ذہنی ارتقاء ہو اگر ذہن میں اعتقادات صحیحہ اور دل میں جذباتِ نفیسہ نہیں تو کوئی بڑے سے بڑا شاعر سلام کی منزل میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اخلاقی تمدنی اور مذہبی الفاظ کے استعمال نے سلام کی فضا کو وسیع سے وسیع تر کر دیا ہے۔ اخلاقیات میں رواداری استغنا، خاکساری، راست گوئی، قناعت، ثابت قدمی اور فضائے قلب کی خصوصیات شامل ہیں۔ تمدن میں سیاست، حکومت عدل و انصاف اور دیگر معاشرتی امور بیان کیے جاتے ہیں۔ مذہب میں وحدت الٰہی رسالت، امامت، قیامت، فرشتگان قرآن

و حدیث اور فروغ دین شامل ہیں۔ اردو سلام کا خمیر اگرچہ مرثیہ پر تیار ہوا تاہم اس میں محض حزن و ملال کا مواد نہیں ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر اسد اریب کی رائے ملاحظہ فرمائیے:

"سلام ضروری نہیں کہ رقت اور گریہ و بکا کے اہتمام کے لیے ہو اس کو نہایت ہلکے پھلکے انداز میں بھی لکھا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ بیان کی تاثیر سے مصائب کے ٹکڑوں پر زیادہ بکا ہو جائے، لیکن مجموعی حیثیت سے اس کی فضا پاکیزہ خیالات تزکیہ نفس کے جذبات، سیرت، کردار کی تعمیر کرنے والے بیان، ناپائیداری حیات کے اظہار اور اتباعِ سیرت معصومینؑ سے معمور ہوتی ہے۔"(۲۲)

سلام نگاری میں خوبصورتی اور حسن کاری الفاظ و معانی کی آمیزش سے ابھرتی ہے اسلوبِ بیان کا حسن الفاظ اور ترتیب الفاظ سے اور معانی کا حسن فکر و تخیل کی ہم آہنگی سے نمایاں ہوتا ہے۔ معانی کا حسن سلام نگاری کی فکری خصوصیات نمایاں کرنے میں بہت اہمیت کے حامل ہے۔ حقیقت نگاری، فصاحت و بلاغت، تاریخی واقعات کا بیان، تخیل پروری، بے ساختگی اور فطری انداز، داخلیت و خارجیت کا اظہار خلوص و آفاقیت، سوز و گداز، جذبہ و خلوص کا اظہار عقیدت و احترام کے پاکیزہ اور مقدس رجحان کو سلام نگاری میں معنوی حسن اجاگر کرنے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

الفاظ و معانی کا حسن سلام نگاری میں خیال و فکر کو تسکین اور روح کو بالیدگی عطا کرتا ہے۔ فکر و شعور میں وسعت اور صداقت کا جوہر اور موضوع کے اظہار میں معنویت کا تاثر ابھرتا ہے۔ الفاظ و معانی میں ہم آہنگی اسلوبِ بیان میں لطافت کا باعث بنتی ہے۔ الفاظ و معانی کے باہمی ربط کی بدولت واقعہ نگاری، جزئیات نگاری، جذبات کی تصویر کشی، رزمیہ واقعات اور دیگر نفسیاتی اور احساساتی موضوعات سلام نگاری میں پختگی اور دلچسپی کے ساتھ ساتھ لطافتِ سخن بر قرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

(د) سلام کا جائزہ

درج بالا اخلاقی قدروں کے پیشِ نظر یہ امر مسلمہ ہے کہ سلام نگاری کی بنیاد صادق جذبات عالیہ پر مبنی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ سلام نگاری محض الفاظ کی محتاج ہے تو یہ نظریہ بھی قابل قبول نہیں کیونکہ اول تو کوئی شاعری جذبے کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی دوم لغت کے الفاظ ایک ترتیب میں رکھ دینے سے بھی شعر ممکن ہے موزوں ہو جائے مگر اس کی حیثیت کاغذی پھول سے زیادہ نہیں ہو سکتی اس لیے ماننا پڑے گا کہ سلام نگاری شاعری تو ہے مگر اس کی اساس تخیل اور احساسات و جذبات پر ہے۔ میر انیس جو کہ مشہور مرثیہ گو ہیں ان کے بارے میں محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

"ابتداء میں انہیں غزل کا شوق تھا کہیں مشاعرے میں گئے اور غزل پڑھی وہاں بڑی تعریف ہوئی شفیق باپ خبر سن کر باغ باغ ہوا مگر ہونہار فرزند سے پوچھا کل کہاں گئے تھے؟ تھے انہوں نے حال بیان کیا غزل سنی تو فرمایا کہ بھائی اس غزل کو

سلام کرو اور اس شغل میں زورِ طبع کو صرف کرو جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے بیٹے نے
اسی دن سے ادھر سے قطع نظر کی "غزل کو سلام کرو" یہ فقرہ ذو معنی تھا۔ ایک
مطلب تو یہ تھا کہ غزل کو ترک کرو اور دوسرا یہ کہ غزل کو سلام میں تبدیل کر دو
میر انیس نے دونوں کام کیے اور غزل کی ہیئت میں سلام لکھنا شروع کیا زمانہ قدیم
میں "سلام" ردیف "سلام" ہی باندھی جاتی تھی اور اسے محمد و آل محمد علیہم
السلام پر درود و سلام کا وسیلہ بنایا ہوا تھا مگر اب سلام میں کافی تبدیلیاں آ گئی ہیں
اب اخلاقی اور اصلاحی پہلو بھی سلام میں داخل ہو گئے ہیں بلحاظ معنی غزل کے
بہت قریب ہو گیا ہے۔ تاہم غزل میں عشق مجازی کے مضامین کا بیان ہوتا ہے اور
سلام میں یہ مضامین شامل نہیں ہو سکتے۔"(۲۳)

سلام نگاری قلب و روح کی مملکت پر اثرات مرتسم کرتی ہے۔ شعر میں شعریت اس وقت پیدا ہو گی جب اس کا خمیر ازلی و ابدی صداقتوں سے اٹھایا گیا ہو۔ اس سلسلے میں ساغر صدیقی کا شعر ملاحظہ ہو:

ایک نغمہ ایک غنچہ، ایک تارا ، ایک جام
اے غمِ دوراں غم دوراں تجھے میرا سلام(۲۴)

رہے جو شام و سحر اُن کے آستاں کو سلام
یہی ہے خلد، اب آرامِ قلب و جاں کو سلام (۲۵)(علامہ رشید ترابی)

سلام نگاری جذبہ بھی ہے تخیل بھی یہ احساس بھی ہے صداقت بھی مگر اسے نعرہ بنا کر پیش کرنا یا اپنے عقیدے یا مسلک کو زبردستی کسی پر ٹھونسنا کوئی مناسب فعل نہیں۔ اسلام ایک فطری مذہب ہے اس کی تبلیغ حقائق کے ادراک اور مسلمہ اصولوں سے کی جا سکتی ہے بشرطیکہ سلام نگاران ان تجربات سے گزر چکا ہو جہاں زمان و مکان کے تمام خدوخال اور تمام بشارتیں نظر کے سامنے ہوں۔ دین کی اشاعت اور مذہب کی تبلیغ فرض ہے مگر اس کا طریقہ کار اس طرح ہونا چاہیے کہ سلام کی فضا اور اس کا فن مجروح نہ ہو۔ سلاموں سے تبلیغ دین کا کام نہایت خوبی اور احسن طریقے سے لیا گیا ہے کہیں کہیں تو ایسا بھی نظر آیا ہے کہ سلام کا ایک شعر مقرر کے ہزار لیکچروں پر بھاری ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر متفرق شعراء کے سلام کے یہ اشعار دیکھیے:

بھیجتی ہے سماعت مری
اس سراپا اذاں پر سلام (۲۶)(مظفر وارثی)

اصول حق و صداقت کے پاسدار سلام
سلام صاحب ایمان ذی وقار سلام [۲۷](صوفی تبسم)

بھریں گی جھولیاں سب کی یقین ہے آقا
فقیر آس لگائے سلام کہتے ہیں [۲۸](صائم چشتی)

خلوص و صداقت سلام نگاری کی بنیادی خصوصیات میں سب سے اہم خصوصیت ہے قلبی واردات اور جذبات کے بیان میں اخلاص کا رنگ حقیقی اور شعوری طور پر معنی آفرینی پیدا کرتا ہے۔ ایسی معنی آفرینی سے سلام میں معجزانہ رنگ ابھرتا ہے شہادت کے واقعات میں خلوص و صداقت کا عنصر ایک طرف سوز و گداز پیدا کرتا ہے تو دوسری طرف خودداری اور خود اعتمادی کا جذبہ اُبھارتا ہے۔ مشاہدات اور تجربات کے بیان میں خلوص خونِ جگر کا اثر رکھتا ہے۔ الفاظ کا حسن اور معانی کی لطافت بھی خلوص و صداقت کی بدولت قائم رہتی ہے۔ شہدائے کربلا سے عقیدت و احترام کے تقاضوں کو خلوص اور صداقت کے ذریعے ہی ضبطِ تحریر میں لانا ممکن ہے۔ اس سلسلے میں معروف محقق اور مشہور سلام گو سید وحید الحسن ہاشمی رقمطراز ہیں:

"سلام نگار کا فرض ہے کہ وہ جو کچھ لکھے اس میں خلوص کی چاشنی، راست گوئی کی مٹھاس اور صداقت کی شیرینی ہو چونکہ سلام جذبات اور احساسات کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر ان میں ذرا سا بھی دروغ گوئی کا عنصر شامل ہو گا تو اثر آفرینی کی لے مدھم ہی نہیں بالکل نیست و نابود ہو جائے گی۔"[۲۹]

آپ مختلف عہد کے سلام نگاروں کے درج ذیل اشعار دیکھیے کہ اس میں خلوص و محبت کا کیسا جذبہ موجزن ہے:

سلام میں حقیقت نگاری و جذبہ و خلوص اور عقیدت و احترام کے بیان کے لیے بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ حقیقت کا بیان مقصد کے اظہار کو اثر اور جلا عطا کرتا ہے سلام میں بیان کردہ واقعات اور حالات کو حقیقی رنگ میں پیش کرنے سے اخلاص اور وفاداری کے رویے فروغ پاتے ہیں۔ حقیقت نگاری واقعات اور سلام کے دیگر متعلقات کو دیانت اور صداقت کے رنگ میں پیش کر کے تعصب اور قیاسیت سے پاک کر دیتی ہے۔ حقیقت پسند شاعر سلام کے متعلقات کو حتی المقدور معروضی صحت کے ساتھ سچائی اور دیانت داری کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بیان کرتا ہے۔ اگرچہ واقعات کے بیان میں رنگینی کا تاثر ابھرتا ہے لیکن اس تاثر میں سلام کا حقیقی رنگ مدہم نہیں ہونے پاتا اب ذیل میں چند اشعار دیکھیے کہ سلام نگاروں نے کس طرح حقیقت نگاری کو سلام کے فنی اعتبار سے بیان کرنے کی سعی کی ہے۔

سلام اُن پہ تہِ تیغ بھی جنہوں نے کہا
جو تیرا حکم جو تیری رضا جو تُو چاہے [۳۰](مجید امجد)

اٹھے جو ہاتھ، سلامت نہ آ سکے واپس
کسی مرید کو یوں پیر نے سلام کیا [۳۱](جان کاشمیری)

عقیدہ اور سلام آپس میں لازم وملزوم ہیں بلکہ راقم الحروف تو یہاں تک کہنے کو تیار ہے کہ سلام کی بلند و بالا عمارت کی پہلی اینٹ ہی عقیدت اور غیر متعصبانہ رویے پر رکھی گئی ہے۔ جب کوئی سلام نگار اپنی عقیدت کی سیڑھی سے شریعت کے کشادہ بام پر آتا ہے تو اس کے قلب میں فیضان اور دماغ میں آگہی کے چودہ چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ عشق خدا اور عشق رسول اور عشق اہل بیت سلام کی کائنات کے سورج، چاند اور ستارے ہیں اور جب مودت کے جذبات الفاظ کا جامہ پہن کر سلام کی شکل میں آتے ہیں تو تاثیر کی کرنیں اپنی روشنی سے ہمارے عالم محسوسات اور وجدان کو منور کر دیتی ہیں۔ یہی روشنی شعر کی صورت اختیار کر کے قرطاس ادب پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ سلام کے ہر شاعر نے نہ صرف کربلا والوں کو اپنی عقیدت کا خراج پیش کیا ہے بلکہ اس نے ہر اس انسان، ہر اس مقام، ہر اس دور اور ہر اس زمانے پر سلام بھیجا ہے جس نے حق کا ساتھ دیا جس مقام پر حق کا معرکہ پیش آیا اور جس دور اور جس زمانے میں اہل حق کی اہل باطل کے ساتھ آویزش ہوئی۔ اب اس مؤقف کی دلیل میں سلام کے شعراء کے چند اشعار بھی ملاحظہ فرمایئے کہ شعراء نے نہایت سلیقے سے اپنے عقائد کا اظہار کیا ہے:

فلک سے درود و سلام آ رہا ہے
زباں پر محمدؐ کا نام آ رہا ہے [۳۲](اقبال عظیم)

اے حسین ابن علی تیری شہادت کو سلام
حرفِ حق جس کی تجلی سے فرازاں ہو گیا [۳۳](خورشید رضوی)

ہاں اے حسینؑ تشنہ رنجور السلام
اے مہمانِ عرصہ بے نور السلام [۳۴]جوش ملیح آبادی

اردو دنیا کا کوئی معروف شاعر ایسا نہیں جس نے سلام نہ کہا ہو اور اپنے سلاموں میں حسینی عزم و استقلال اور حوصلہ مندی کا ذکر نہ کیا ہو۔ شاعر چونکہ گہرے احساس کا مالک ہوتا ہے اس لیے اس کا ذہن الہام سے قبل ہی واقعات کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے اور جب وہ کسی واقعے سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے جذبات میں ایک تحریک اور ایک زبردست تلاطم پیدا ہوتا ہے۔ سلام نگار جب یہ محسوس کرتا ہے کہ حسین حسین ہیں ان کے ننھے ننھے بچے اور پردہ دار مستورات غم والم کے طوفان

میں جرات و حوصلہ کا پہاڑ بن کر مقابلہ کر رہے ہیں تو اس کے دل میں حوصلہ مندی کا خون گردش کرنے لگتا ہے اور اس کے قلم سے جرات مندانہ اشعار ٹپکنے لگتے ہیں۔ اس سلسلے میں معروف نقاد اسرار زیدی کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

"اگر یہ سچ ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ جب بھی ظلم و جبر اور استحصال کی داستانیں دہرائی جائیں گی سید الشہداء امام حسین اور ان کے رفقاء کی عظیم الشان قربانی کی روایت بھی دہرائی جاتی رہے گی۔ سید الشہداء کی تاریخ ساز شخصیت اور کردار کربلا بلا شبہ تاریخ انسانی کے لیے ایک روشن ترین باب کی ترتیب و تشکیل کا سبب بنے ہیں۔ یہ قربانی تاریخ کا وہ اہم موڑ ہے جس نے باطل کی قوتوں سے بے سروسامانی اور بھوک وپیاس کے عالم میں بھی ٹکرا جانے کا درس دیا۔ حسین اور ان کے رفقاء کی قلیل تعداد نے یزید کے لشکر قہار کے بالمقابل جس طرح جی داری کے ساتھ اپنی جانیں قربان کیں ان کے اس جرأت مندانہ عمل سے آنے والی نسلوں کو یہ درس عظیم ملا کہ جب سچائی اور اس کے اصولوں کی بقا کا معاملہ درپیش ہو تو تعداد کی کمی و بیشی کوئی معنی نہیں رکھتی۔"(۳۵)

شاعری محض جذبوں کے اظہار کا نام نہیں بلکہ بعض شعراء کے لیے ایک مضبوط ہتھیار کے مانند ہے۔ عصر جدید کے شعراء بالخصوص اردو زبان کے شعراء نے کسی حد تک حقیقت کو پالیا ہے۔ اس کا جیتا جاگتا ثبوت عصر حاضر کے سلاموں میں با آسانی مل سکے گا۔ ان سلاموں میں یقیناً اس صدا کا عکس ملے گا جو کربلا کے میدان میں چودہ سو سال قبل ظلم کے خلاف جہاد کرتے ہوئے بلند ہوئی۔ عصرِ حاضر کے باشعور شعراء نے فی الواقع اس حقیقت کو جان لیا ہے ہے شہداء کو عقیدت پیش کرنے کے لیے محض ان کا سوگ منانا ہی کافی نہیں بلکہ ان کے مشن کی تکمیل اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ ہر عہد کے جبر کے خلاف سینہ سپر ہونے کی قوت پیدا کی جائے۔ ہر قسم کی قربانی حتیٰ کہ جان تک دینے سے گریز نہ کیا جائے۔ ان تخلیقات میں پوری جذباتی وابستگی کے باوجود اس حقیقت کا پرتو بھی نظر آئے گا کہ حسینؑ محض ایک شخصیت کا ہی نام نہیں بلکہ ایثار و قربانی اور ظلم و جبر کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے ایک مستقل تحریک کا نام ہے۔ حسینؑ کی شخصیت ایک روشن استعارہ ہے ایک مینارہ عظمت و صداقت ہے جس سے کسبِ فیض اس صورت میں کیا جاسکتا ہے کہ ان کی راہ پر گامزن ہوا جائے۔

سلام نگاری کے لیے تخیل ایک لازمی خصوصیت ہے قلبی واردات اور احساسات کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے تخیل کی بلندی درکار ہوتی ہے۔ واقعات اور حالات کو تخیل کی بدولت ہی حقیقت کے رنگ میں ڈھالا جاسکتا ہے سلام گو شعراء نے واقعاتِ کربلا کو بیان کرنے میں جہاں خلوص و صداقت، رمز و ایمائیت سے کام لیا ہے وہاں تخیل کی مدد سے ایسا اندازِ بیاں اپنایا ہے کہ سلام فطری جذبات کی حقیقی تصویر بن کر قاری کے ذہن کو متاثر کرتا ہے۔ تخیل میں مبالغہ آرائی کلام

کے اثر کو زائل کر دیتی ہے لیکن ظلم و ستم اور رنج والم کا بیان سوز و گداز کی ایسی پختہ تحصیل پیدا کر دیتا ہے کہ جس سے تخیل میں عدم استحکام کا رنگ نمایاں نہیں ہونے پاتا۔ طاہر ناصر علی کا رنگ تخیل دیکھیے:

درِ حسینؑ پہ رکھتے ہیں خم جبینوں کو
سلام کرب و بلا کے سبھی مکینوں کو(۳۶)

سلام میں داخلیت سے مراد باطنی کیفیات اور جذبات و احساسات ہیں جو شاعر کی ذہنی و فکری عکاسی کرتے ہیں اور جن سے کلام میں اثر انگیزی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ داخلیت میں واقعات سے متعلق رد عمل جذبہ و احساس میں متنوع پہلو اختیار کرتا ہے۔ سلام گو شعراءء خارجی ماحول کو جذبات و احساسات کے رنگ میں ڈھال کر بیان میں تازگی، ندرت اور اجتماعی تاثر کا رنگ پیدا کر دیتے ہیں۔ سلام داخلی کیفیت کے بیان کا مرقع بن کر جاذبیت اور محویت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بلیغ صلاحیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ سلام نگار شعراءء کی طبیعت زیادہ تر داخلی کیفیات، جذبات و احساسات اور قلبی واردات کے بیان کی طرف مائل رہتی ہے۔ وہ اپنے خیالات کو واقعات کے تاثراتی تجربات کی روشنی میں فکر و تخیل کی قوت کی مدد سے بیان کرتے ہیں۔ جن کی بناء پر انداز بیاں موضوع کی ادائیگی گی اور لہجے کی دلکشی کے حوالے سے سلام نگاری میں عمومی تاثر قائم ہو جاتا ہے۔ جینا قریشی کے سلام میں داخلیت کی مثال ملاحظہ کیجیے:

مجھے حسینؑ کی الفت میں گریہ زاری ملی
فراز پر ہے مقدر، مرے حسینؑ سلام
قبول ہو جو مرا حرف التجا مولا
یہ آنسوؤں کا سمندر مرے حسینؑ سلام(۳۷)

سلام نگاری میں خارجی واقعات اور حوالوں کا بیان داخلی واردات کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔ سلام گو شاعروں کی مخصوص طبع خارجی ماحول کی جانب مائل ہونے کی بدولت ہی داخلی کیفیت کے بیان کے قابل ہوتی ہے۔ بیرونی ماحول کا مشاہدہ اور خارجی عوامل کا مطالعہ سلام کے جزئیات کے بیان کو مؤثر انداز میں ادا کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ سلام نگاری کے حوالے سے خارجیت کی اصطلاح خارج بنی اور خارجی زندگی کے مختلف لوازمات سے فنکارانہ تعلق و اظہار کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

سلام کے موضوعات اور دیگر متعلقات کو جذبات و احساسات کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے اس انداز بیاں کی بناء پر خارجی لوازمات کے تقاضوں کو پورا کرنے میں مدد ملتی ہے۔ سلام نگاری ہمہ گیر تاثیر اور آفاقیت جیسی خوبیوں کی بناء پر مقصدیت کے اظہار کے قابل ہو جاتی ہے۔ سلام نگاروں نے خارجی ماحول کے مختلف عناصر مثلاً آگ، صحرا، گرمی، پیاس، جنگ اور قتل و غارت گری کو بیان کیا میں خارجیت کا رنگ ملاحظہ ہو:

حضورؐ اشک سجائے سلام کہتے ہیں
نظر میں دیپ جلائے سلام کہتے ہیں [۳۸](صائم چشتی)

سلام نگاری کے لیے سب سے اہم کام الفاظ کا مناسب انتخاب ہے۔ شاعری کی روایت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم وزن اور ہم معنی الفاظ، زبان و بیان کی روانی اور سادگی بر قرار رکھنے کے لیے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ مناسب اور متوازن الفاظ کلام میں فصاحت اور بلاغت کا بھرپور رنگ جما دیتے ہیں شعر میں موزونیت بامعانی الفاظ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر لفظ فطرت کے تقاضوں کے مطابق بلاغت کی خوبیوں کے حامل ہو تو معنویت اور تاثیر کا رنگ مکمل طور پر جلوہ گر ہو گا۔ سلام میں معانی آفرینی اور تاثیر الفاظ کی موزونیت اور مناسبت سے پیدا ہوتی ہے اگر الفاظ میں توازن نہ رہے اور انتخاب الفاظ میں موقع محل اور حال کے تقاضوں کو مد نظر نہ رکھا جائے تو کلام بے معنی اور مہمل بن کر رہ جائے۔

روزمرہ کی بدولت اسلوب بیان کے نقطہ ء نظر سے سلام نگاری میں اثر پذیری، سلاست اور روانی پیدا ہوتی ہے اور موضوعاتی نکتہ رسی کے اعتبار سے معنوی بے ساختگی کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔ زبان کی وسعت اور صحت بیان کی فصاحت و بلاغت روزمرہ کے صحیح استعمال سے ہی ممکن ہے۔ روزمرہ نہ صرف خوش اسلوبی کی ضمانت ہے بلکہ مطمع نظر کو وضاحت اور وسعت کے رنگ میں بیان کرنے کی صلاحیت پر قادر کرتا ہے۔ روزمرہ کی کاوش سے سلام نگاری شعوری کاوش اور آورد سے محفوظ رہتی ہے۔ اسلوب بیان کی پختگی کی بدولت فکری اور معنوی محاسن سے سلام نگاری آفاقیت اور حقیقت کی متوازن اور سنجیدہ روایت بن جاتی ہے۔ زبان و ادب میں محاورے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے محاورے کی وجہ سے زبان و بیان مین معنی آفرینی اور اثر پذیری پیدا ہوتی ہے۔ محاورات کا بر محل استعمال بیان کی شگفتگی کا باعث بنتا ہے۔ سلام نگاری میں محاورات مطمع نظر کو واضح کرنے اور مقصد کے اظہار میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اختصار کے لہجے میں مفصل بیان کا تاثر محاورات کی بدولت ہی ابھرتا ہے۔ محاورات قادرالکلامی کا بینِ ثبوت فراہم کرتے ہیں محاورات کے استعمال میں سلیقہ مندی سلام نگاری کے محاکاتی عنصر کی وضاحت کے علاوہ عزائی تاثر کو بھی بہتر انداز میں ابھارنے میں مدد دیتی ہے۔ کلام کی ظاہری دلکشی دلآویزی معنوی حسن کو بھی بر قرار رکھتی ہے معنوی وضاحت کے حوالے کے مطابق محاورات اور مقصدیت کے بیان کے درمیان جو تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ وہ سلام نگاری کے حسن عقیدت اور پاکیزہ تقدس رجحان کو بلاغت سے ہمکنار کر دیتا ہے اور سلام نگاری حقیقت اور آفاقیت کی علمبردار بن جاتی ہے۔ اس حوالے سے سید وحید الحسن ہاشمی کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

”زمانہ جدید کے شعراء اب یہ کہنے لگے ہیں کہ خیالات کے اظہار کے لئے محاورات و روزمرہ، قافیہ، ردیف، بحر، اوزان کے پیمانے سب فرسودہ روایات کی باتیں ہیں۔ وہ بھول گئے ہیں کہ اس تغیر پذیر زمانے میں کچھ وجدانی چیزیں موجود ہیں جن میں آج تک کوئی تبدیلی نہ آسکی آج بھی گلاب کی مہک اور پرندوں کی چہکار ہمارے دلوں کو دلکشی دیتی ہیں۔ قافیہ اور ردیف محاورات اور روزمرہ ایک حسین دلہن کے زیورات کی طرح سنگھار کی چیزیں ہیں جن سے حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

جب ایک لفظ انسانی ذہن کو بے شمار خیالات عطا کر سکتا ہے تو محاورات اور روزمرہ سے کتنی ہی دنیائیں معرض وجود میں آسکتی ہیں کیونکہ فکر انسانی کو بھی ابھی تک مقید نہیں کیا جا سکا۔ اردو کے کسی بڑے شاعر کو لے لیجئے اس نے مقفیٰ شاعری بھی کی محاورات کے پھولوں سے اپنی بزم سخن بھی سجائی اور روزمرہ کے رنگین شیشوں سے اپنی دکانِ شاعری کو مزین بھی کیا۔ اگر آج کل کی بے اسلوبی بے ڈھنگی اور ٹوٹی لنگڑی شاعری کو شاعری کہا جا سکتا ہے تو پابند شاعری کو فرسودہ بے کار اور بے محل کہنے کا کیا جواز ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ ریاضت سے جان چرا رہا ہے دوسرے فنون کی طرح شاعری بھی ریاضت چاہتی ہے مگر ہمارے شعراء ریاضت سے گھبراتے ہیں''۔

صاحب سلامت

سلام ہمارے تہذیبی رویوں اور رسموں کا ایک بہت اہم حصّہ ہے ہم بڑوں کو بھی سلام کرتے ہیں برابر والوں کو بھی اور اپنے سے چھوٹوں کو بھی بادشاہوں کو سلام بہت سادہ طریقہ پر نہیں کیا جاتا۔ وہاں سات بار زمین بوس ہو کر کورنش بجا لاتے ہیں جسے درباری سلام کہہ سکتے ہیں۔ اس کے لیے مجرا بجالانے کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی تھی مُجرا اربابِ نِشاط کا سلام ہوتا ہے۔

ہم سلام مُجرا ایک ساتھ بھی کہتے ہیں اور اُسے محاورے کے طور پر استعمال کرتے ہیں "آداب اُمراء" کا سلام ہے اور "تسلیمات" اُس کے ساتھ جُڑا رہتا ہے السلام علیکم گویا برابری کا سلام ہے چھوٹا طبقہ باقاعدہ سلام نہیں کر سکتا وہ "صاحب سلامت" کہتا ہے ہمارے معاشرے میں جو اونچ نیچ ہے۔ اُس کا اثر سلام پر بھی مرتب ہوتا ہے۔

"صاحب" کا لفظ مالک کے معنی میں آتا ہے ہم اُس کو احترام کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ سکھّوں میں "صاحب" کے وہی معنی ہیں جو ہمارے ہاں شریف کے ہیں اسی لئے وہ گردوارا صاحب کہتے ہیں عام طور پر صاحب انگریزوں کو صاحب کہتے رہے ہیں اِس سے پہلے بیگمات اور شہزادیوں کے لئے بھی صاحب کا لفظ استعمال ہوتا رہا ہے۔ غالب کے زمانے میں گھر کی خواتین کو بھی "صاحب" لوگ کہا کرتے تھے اب یہ ایک طرح کا محاورہ ہے۔[۳۹]

اب ذرا غور سے دیکھیں کہ محاورات اور روزمرہ کے استعمال نے شعر کی زمین کو آسمان بنا دیا ہے آپ بھی درج ذیل مثالوں سے لطف اندوز ہوں:

حسینوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی نہ
ان کی دوستی اچھی نہ ان کی دشمنی اچھی [۴۰](حفیظ جونپوری)

محاورے کی ایک اور مثال دیکھیے گا کہ

فردا کو دور ہی سے ہمارا سلام ہو
دل اپنا شام ہی سے چراغ سحر ہوا [۴۱](یگانہ چنگیزی)

سلام نگاری میں استعارے کی روایت غیر معمولی حیثیت کی حامل ہے۔ استعارہ شاعرانہ جدت طبع اور قوت فکر کی علامت ہے لطیف اور نازک خیالات کے علاوہ پیچیدہ اور دقیق افکار جو عام زبان میں بیان کیے جاسکتے ہوں استعارے کے حوالے سے موثر انداز میں بیان کیے جاسکتے ہیں۔ استعارہ کلام میں حسن اور ادائیگی میں جاذبیت و دلکشی کا باعث بنتا ہے۔ سلام نگاری میں تخیل، محاکات اور موضوع کے عزائی تاثر کو دلکش انداز میں استعارہ کی بدولت ہی بیان کیا جاسکتا ہے استعارہ غور و فکر اور نکتہ سنجی کے مختلف رویوں کو فروغ دیتا ہے معنی میں بلاغت کا تاثر پیدا کرتا ہے۔ سلام نگاری میں رمز و ایمائیت کا جوہر استعارے کی بدولت ہی نکھرتا ہے ایجاز و اختصار کا حسن استعارے کی بدولت ہی ممکن ہے جو سلام نگاری کے مجموعی تاثر کو نکھارنے کا سبب بنتا ہے۔ اس مجموعی تاثر سے سلام نگاری میں وسعت اور بلاغت کا جوہر نمایاں ہوتا ہے۔ نثار علی اجاگر کے سلام میں استعارہ کا استعمال دیکھیے:

دلکش، حسین، نرم ، لہکتی ہوئی فضا
اے خوش نما بہار مدینہ تجھے سلام (۴۲)

زبان و بیان میں حسن آفرینی، اثر پذیری اور وضاحت تشبیہ کی بدولت بھی پیدا ہوتی ہے تشبیہ سے شاعرانہ ندرت، تخیل اور قوت ایجاد کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے ذریعے لطیف احساسات، نازک جذبات اور قلبی واردات بلیغ اور آسان انداز میں بیان کیے جاسکتے ہیں۔ سلام نگاری کی مستحکم روایت لطیف و دقیق تصورات و افکار کو تشبیہ کے ذریعے ہی بیان کرنا ممکن ہے تا کہ سلام نگاری کی بنیادی اور تاثراتی کیفیت سے آگاہی ہو سکے۔ تشبیہ کے ذریعے سلام نگاری میں حسن اور معنویت کا عنصر ابھرتا ہے تشبیہ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

تجھے تو کتنی بہاریں سلام بھیجیں گی
ابھی یہ پھول سا چہرہ ذرا سنبھال کے رکھ (۴۳)(انجم بارہ بنکوی)

بجھ گئی کچھ اس طرح شمع سلام
جیسے اک بیمار اچھا ہو گیا (۴۴)(سلام مچھلی شہری)

اس معروضہ کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ سلام نے صرف انسانوں کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ اصناف شعر و ادب پر بھی اس کے اثرات مرتسم ہوئے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ برصغیر کی تہذیب و ثقافت میں پروان چڑھنے والے عزائی ادب میں واقعہ کربلا کے متنوع پہلوؤں کو جس خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ عالمی ادب میں بھی اس کی نظیر ملنا ناممکن ہے واقعہ کربلا کے اثرات یوں تو ہر صنف نثر و شعر میں تلاش کیے جاسکتے ہیں تاہم مرثیہ، سلام اور نوحہ نعت منقبت اور غزل کی تشکیل اسی سلام سے ہوئی مرثیہ اور نوحہ کی نسبت سلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اسے تمام معروف شعراء کا فکری و فنی تعاون حاصل رہا ہے یہی سبب ہے کہ اپنے اندرونی مزاج و مذاق کی تشکیل کے ساتھ ساتھ

اس صنف کی ہیئت کا تعین بھی جلدی ہو گیا اور اس کے لیے غزل کا پیکر مناسب خیال کیا گیا۔ یہاں یہ بات باور کروانا یقیناً ضروری ہے کہ صنف سلام کے لیے غزل کی ہیئت پسندیدہ قرار دی گئی لازم نہیں۔ یہی سبب ہے کہ قدیم و جدید شعراءء نے اپنی پسندیدہ ہستیوں میں بارگاہ سید الشہداء میں سلام نیاز پیش کیے ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے سلام کے محاسن کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے مختلف خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ نظریہ بھی قائم کیا ہے کہ اپنے مذاق و مزاج کے لحاظ سے سلام نے ہر صنف میں اپنے اثرات مرتسم کیے ہیں۔ خاص طور پر عزائی ادب میں جو قبولیت سلام کو حاصل ہے وہ کسی دوسری صنف کو نہیں حقیقت یہ ہے کہ جدید شعراء نے غزل کے بعد جس صنف کو لائق اعتنا سمجھا ہے وہ سلام ہے۔ اس باب میں ہم نے برصغیر پاک وہند کے متنوع نامور شعراء کے سلاموں کی بیش بہا مثالیں پیش کر کے اپنے مؤقف کو مزید مضبوط بنا دیا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ صنفِ سلام کے تمام مواد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس صنف کا ادبی لحاظ سے بار دگر فکری و فنی دقیع مطالعہ کیا جائے اور اس کے حسن و قبح پر روشنی ڈالی جائے اگر ہم نے اس سلسلے میں مزید کوتاہی برتی تو ہم اپنے قابلِ فخر ادبی سرمائے سے کماحقہٗ استفادہ نہیں کر پائیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن الحکیم: احزاب: آیت ۵۶

۲۔ ڈاکٹر طاہر القادری: "درود و سلام اور عظمت" منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۸، ص، ۱۴

۳۔ ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل: "صحیح بخاری شریف" جلد سوم، حدیث نمبر ۱۱۵۹

۴۔ سید حماد رضا بخاری: "صلو علیہ و آلہ" معراج کمپنی غزنی سٹریٹ، لاہور، ۲۰۱۷، ص ۲۸

۵۔ ایضاً، ص ۹۲

۶۔ سید حماد رضا بخاری: "بلغ العلٰی بکمالہ" معراج کمپنی غزنی سٹریٹ، لاہور، ۲۰۱۹، ص ۸۱

۷۔ ایضاً، ص ۸۱

۸۔ الحافظ قاری غلام حسن قادری: "شرح حدائق بخشش" اسد پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۳، ص ۹۱۵

۹۔ محمد علی ظہوری: "کلیات ظہوری" خزینہ علم و ادب الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳، ص ۵۸

۱۰۔ الحافظ قاری غلام حسن قادری: "شرح حدائق بخشش" اسد نئیر پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۳، ص ۹۲۴

۱۱۔ ایضاً، ۹۲۷

۱۲۔ القرآن الحکیم: النساء: آیت ۸۶

۱۳۔ ایضاً: النور: آیت ۲۷

۱۴۔ ایضاً: ایضاً: آیت ۶۱

۱۵۔ ایضاً: انعام: آیت ۵۴

۱۶۔ افضال احمد انور: (نعتیہ سلام) "سلام کی فکری و فنی خوبی" مشمولہ "روشنی" گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد، ۱۹۹۴، ص ۱۵۴

۱۷۔ پروفیسر احتشام حسین: مقدمہ معراج فکر (نجم افندی)، سرفراز پریس، لکھنؤ، ۱۹۶۰ ص، ۲۸

۱۸۔ پروفیسر صفدر حسین: "تجلیات انیس" مرتبہ یوسف حسین شائق، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۶، ص ۰۹

۱۹۔ وارث سرہندی: "علمی اردو لغت" اُردو سائنس بورڈ، لاہور س۔ن ص ۹۱۶

۲۰۔ علی جواد زیدی: "انیس کے سلام" ترقی اردو بیورو، دہلی، ۱۹۸۱، ص ۱۸

۲۱۔ امداد امام اثر: "کاشف الحقائق" (جلد دوم) مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۵۶، ص ۱۹۰

۲۲۔ اسد اریب: "نقد انیس" جدید بکڈپو، لاہور، ۱۹۶۷، ص ۲۱

۲۳۔ ڈاکٹر صدف نقوی: "گوہر صدف" مثال پبلیشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۳، ۲۵۷

۲۴۔ ساغر صدیقی: "کلیات ساغر صدیقی" مرتبہ، ڈاکٹر شیخ بلیغ الدین جاوید، مقبول اکیڈمی اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۲، ص ۵۳

۲۵۔ علامہ رشید ترابی: "شاخ مرجان" فضلی سنز، کراچی، ۱۹۸۳، ص ۱۷

۲۶۔ مظفر وارثی: "صاحب التاج" علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۰ ص ۱۸۹

۲۷۔ صوفی تبسّم: "کلیات صوفی تبسّم" الحمد پبلشرز لنک روڈ، لاہور، ۱۹۹۸، ص ۲۷

۲۸۔ صائم چشتی: "کلیات صائم چشتی" چشتی کتب خانہ، فیصل آباد، ۲۰۱۲، ص ۴۱۴

۲۹۔ پروفیسر وحید عزیز: "سید وحید الحسن ہاشمی کا تخلیقی سفر" اظہار سنز اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۱، ص ۱۷۰

۳۰۔ مجید امجد: "کلیات مجید" الحسن پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۳، ص ۳۱۵

۳۱۔ جان کاشمیری: "ضیاپاشیاں" المجاہد پبلشرز ایم بلاک ٹرسٹ پلازہ جی روڈ، گوجرانولہ، ۲۰۲۰، ص ۱۵۷

۳۲۔ اقبال عظیم: "کلیات نعت زبور حرم" نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۰، ص ۲۰۵

۳۳۔ ڈاکٹر خورشید رضوی: "نسبتیں" انٹرنیشنل نعت مرکز بھاری چوک اردو بازار، لاہور ۲۰۱۵، ص ۹۱

۳۴۔ جوش ملیح آبادی: "دیوان جوش" اردو اکادمی قیصر باغ، لکھنؤ، ۱۹۹۱، ص ۳۴۱

۳۵۔ اسرار زیدی: "کربلا کربلا حسین حسین" الحمد پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۴، ص ۱۵

۳۶۔ طاہر ناصر علی: "کربلا سفر میں ہے" الحسن پبلیشرز رحمان پورہ، لاہور ۲۰۰۶، ص

۳۷۔ جینا قریشی: "سلام یا حسین ۲۰۱۹" المجاہد پبلشرز جی روڈ، گوجرانولہ ۲۰۱۹، ص ۱۴۱

۳۸۔ صائم چشتی: "کلیات صائم چشتی" چشتی کتب خانہ، فیصل آباد ۲۰۱۲، ص ۴۱۴

۳۹۔ الحافظ قاری غلام حسن قادری: "شرح حدائق بخشش" اسد نئیر پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۳، ص ۱۰۱۲

۴۰۔ محبوب الرحمٰن فاروقی مرتبہ: "انتخاب غزلیات حفیظ جونپوری" اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۹، ص ۶۲

۴۱۔ یگانہ چنگیزی: "کلیات یگانہ" ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، مرتب مشفق خواجہ، ۲۰۰۳، ص ۳۵۹

۴۲۔ نثار علی اجاگر: "جہان اجاگر" فرید پبلشرز اردو بازار، کراچی ۲۰۰۸، ص ۲۰۴

۴۳۔ انجم بارہ بنکوی: "زمانہ کچھ اور ہے" ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۰ ص ۲۲

۴۴۔ سلام مچھلی شہری: "سخن سرائے" دبستان وراثیہ، کراچی، ۱۹۹۶، ص ۱۰۷

باب دوم

اردو میں سلام نگاری کی روایت

باب دوم

اردو میں سلام نگاری کی روایت

اردو میں سلام گوئی کی ابتداء کا پتہ لگانا زیادہ مشکل نہیں کیونکہ یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ اس کا آغاز اردو مرثیہ گوئی کی ابتداء کے ساتھ ہوا۔ انیس اور ان کے بعد کے شعراء نے خالص رثائی موضوعات سے تھوڑی علیحدگی اختیار کر کے جا بجا غزل کے رنگ کے اشعار میں سلام پیش کیے۔ اسی کے ساتھ واردات قلبیہ اور معاملات ذہنیہ کے باندھے جانے کا سلسلہ بھی شروع ہوا آہستہ آہستہ زندگی کے عمومی مسائل و تجربات، غم و خوشی کے احساسات، عزیزوں کی بے اعتنائی اور قطع رحمی، دوستوں کی نارسائی اور ناسپاسی کا بیان بھی سلاموں میں کیا جانے لگا۔

مرثیہ کے لئے مسدس کی ہیئت طے پا جانے کے فوراً بعد کے سلاموں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شاعرانہ فنکاری کے مظاہرے اور شعری وسائل کے استعمال کے باوجود کلام رثائیت کو اولین درجہ حاصل ہے۔ لیکن اس دور کے بعد خصوصاً انیس کے عہد سے سلاموں میں شاعرانہ حسن اور فنکاری کے مظاہرے کے ساتھ ساتھ سلاموں کے مضامین میں خاصی جدت اور رنگینی پیدا ہو گئی۔ اس دور کے سلاموں کو سامنے رکھ کر سلام کی تعریف متعین کی جائے تو سلام صحیح معنوں میں غزل کا بدلا ہوا روپ اور اس کا قائم مقام نظر آئے گا۔ جیسا کہ نظیر الحسن حسن فوق نے نے لکھا ہے:

" اردو شاعری میں سلام غزل کا قائم مقام ہے۔"

"غزل کے سہمے ہوئے جذبے نے مرثیے میں سلام کا روپ دھار لیا۔"(۱)

روپ دھار لینے کی صلاحیت کی موجودگی ہی رثائی ادب کی بقا، اس کی ترقی اور مقبولیت میں اضافے کی راہ ہموار کرتی گئی۔ یہ نکتہ ادب کی رثائی شاخ کی تقسیم تک ہی محدود نہیں بلکہ ادب کی ان جملہ اصناف پر محیط ہے جو انسان کی تہذیبی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی زندگی سے براہ راست یا بالواسطہ طور پر تعلق رکھتی ہوں۔ ادب میں مختلف اصناف کا وجود بعض خاص تہذیبی سماجی اور ذہنی اثرات کے تحت ہوتا ہے مثنوی ہو یا مرثیہ، قصیدہ ہو یا ہجو ہر ایک کے پیچھے وہ سماجی اسباب یا تہذیبی مطالعات ملیں گے جو اس خاص صنف کی پیدائش اور فروغ میں معاون ہوئے ہیں۔ اور یہی اثرات اس صنف کو مقبول یا نامقبول بنا رہے ہیں۔ اب اگر کسی صنف نے بعض خاص حالات میں اپنے کو تبدیل کر لیا اور وقت کے نئے مطالعات کو سمونے کے لیے اپنے اندر ہر ضروری تبدیلیاں کر لیں تو وہ صنف باقی رہی ورنہ وقت کے ہاتھوں کوئی نہیں بچتا۔ غزل کی وسعت قلبی، کشادہ دامانی، قوت برداشت اور سخت جانی کا ذکر کرتے ہوئے شارب ردولوی نے لکھا ہے:

"غزل بھی خاص تہذیبی حالات میں پیدا ہوئی اور شاید اس نے سب سے زیادہ سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ادبی انقلابات، تغیر و تبدل دیکھے۔ لیکن دوسری اصناف

اور غزل میں یہی فرق ہے کہ جن تبدیلیوں اور انقلابات کو دوسری اصناف
برداشت نہ کر سکیں غزل دھکیل کر لے گئی۔ اس کی وجہ اس کا لوچ دار کردار تھا۔
جب جہاں جیسی ضرورت ہوئی ویسی شکل اس نے اختیار کر لی۔"(۲)

شارب ردولوی نے جو خیالات غزل کے سلسلے میں ظاہر کیے ہیں وہ سلام پر بھی صادق آتے ہیں کیونکہ سلام کی ہئیت اور موضوعات کے سلسلے میں جتنے خیالات اور رائیں پیش نظر ہیں میں ایک نکتہ جو سب میں مشترک ہے وہ سلام کسی نہ کسی اعتبار سے غزل سے مماثلت اور مشابہت رکھتی ہے۔ سلاموں کے سلسلے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جن تبدیلیوں اور انقلابات کو مسدس، مرثیہ قبول نہ کر سکا سلام نے اسے بہت خوبصورتی کے ساتھ نبھایا۔

سلام گوئی کے ابتداءئی دور میں سلام، سلامی، مجرا، مجرئی جیسے اصطلاحی اور علامتی الفاظ کا استعمال پابندی کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ یہ الفاظ سلام گوئی کے طرزِ خاص کا جز سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کی موجودگی کسی نظم کے سلام ہونے کی دلیل تصور کی جاتی تھی لیکن یہ سلسلہ انیس و دبیر تک ہی قائم رہا۔ ان دونوں شعراء کے زمانے سے اس طرز میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے، مضامین میں جدت کے ساتھ ساتھ غیر رثائی موضوعات کی شمولیت بھی اسی وقت سے شروع ہو گئی تھی۔

سلام جیسے جیسے فطری تقاضوں کے قریب آتا گیا اس کی مقبولیت اور پذیرائی میں بھی اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ وہ مرثیہ گویوں اور مرثیہ خوانوں کی ضرورت بن گیا اس بات کا ذکر کئی محققین نے کیا ہے کہ مرثیہ خوانی سے پہلے مجلس عزا کی فضا بنانے اور سامعین کو مرثیہ سننے کے لیے پوری طرح آمادہ اور تیار کرنے کی خاطر مرثیہ سے پہلے سلام پڑھے جانے کا رواج عام ہو گیا۔ ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ مرثیہ کے طور پر وجود میں آنے والی یہ صنف اپنی ابتداءئی شکل میں ترقی پا لینے کے بعد سلام کے عنوان سے اپنا امتیاز اور تشخص برقرار رکھنے میں کامیاب رہی اور مجلسوں میں مرثیہ سے پہلے پیش خوانی کے طور پر پڑھے جانے کی ضرورت بن گئی۔

سلام گوئی کی ابتداء کے تعلق سے محققین کی متضاد رائیں ہیں۔ علی جواد زیدی نے سلام گوئی کے آغاز و ارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

"پہلے واقعات کربلا سے متعلق جو کچھ بھی لکھا جاتا تھا وہ مرثیہ کہا جاتا تھا بعد میں وہ
سلام وجود میں آئے جن میں سلام والسلام، درود و سلام اور فاتحہ وغیرہ الفاظ کا
التزام کے ساتھ استعمال ہونے لگا یہ مرثیہ ہی کی توسیع تھی اور اسے علیحدہ صنف کا
رتبہ نہ ملا تھا۔"(۳)

کچھ نامور شعراء نے سلام کی صنف کو اعتبار بخشا اور اہم کردار ادا کیا جیسے کہ سوداؔ و میرؔ جیسے اساتذہ کے یہاں اور اسی دور کے قائم اور ضاحک کے کلیات میں سلام کی موجودگی اس نئی ابھرتی صنف کی ادبی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ میر،

سودا، سکندر، احسان جیسے مرثیہ نگاروں نے مربع، مستزاد، مخمس، مسدس، ترکیب بند وغیرہ شکلوں میں نسبتاً طویل مرثیے لکھ کر سلام اور مرثیہ کے مابین ایک واضح خط کھینچ دیا۔ دھیرے دھیرے مسدس کی عروضی اور ہیئتی شکل مرثیوں کے لیے اور منفردہ یا غزلوں اور قصیدوں کی ہیئتی شکل سلاموں وغیرہ کے لیے مخصوص ہو گئی۔

سلام گوئی کی ابتداء کے تعلق سے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے شارب ردولوی لکھتے ہیں:

> "اردو میں سلام کی ابتداء کب ہوئی اور پہلا سلام کس نے لکھا اس بارے میں قطعی طور پر کہنا مشکل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صنف اردو میں اب تک تحقیق کی محتاج ہے۔"(۴)

اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر تقی عابدی نے یہ معلومات فراہم کی ہیں:

> "اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر سلطان محمد قلی قطب شاہ متوفی ۱۰۶۹ ہجری کا کلیات آج بھی انڈیا آفس لائبریری لندن میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی سلطان نے سب سے پہلے دکنی زبان میں مرثیہ کہا اور مرثیے کے ساتھ ہی سلام بھی وجود میں آیا، اگرچہ اس دور میں مرثیہ اور سلام کی کوئی خاص ہئیت اور شکل وصورت معین نہ تھی۔ البتہ زمانے کے سلاموں میں رثائی موضوعات کے ساتھ ساتھ ضرور درود وسلام پیش کیا جاتا تھا۔"(۵)

تقی عابدی نے اس دور کے سلاموں کا ذکر کرتے ہوئے سلام کے مقاصد پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

> "سلام اس زمانے میں قطعہ، مثلث، مربع، مثنوی اور غزل کی ہیئت میں لکھے جاتے رہے اور صرف رثائی موضوعات اور درود وسلام بھیجنا ہی ان کا مقصد تھا یہ سلسلہ رفیع سودا اور تقی میر تک جاری رہا۔"(۶)

علی جواد زیدی اور تقی عابدی دونوں نے محمد شاہ رنگیلے کے دورِ حکومت کو سلام گوئی کے لیے زریں عہد سے تعبیر کیا ہے۔ تقی عابدی نے محمد شاہ رنگیلے کے عہدِ حکومت کا ذکر کرتے ہوئے اس دور کے سلاموں کے موضوعات کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

> "دکنی سلاموں کے بعد میں جو کثیر تعداد میں سلام نظر آئے ہیں زیادہ تر محمد شاہ رنگیلے کے عہد سلطنت کے شاعروں کے ہیں شیخ ہدایت، سید عبداللہ مسکین، غمگین، خادم، جانفشاں، علی فضل، کرم علی، ناجی وغیرہ کے سلام میں نعتیہ، منقبتی، اعتقادی، رثائی اور بین کے موضوعات شامل ہونے لگے اور سودا، میر،

ضاحک، افسردہ، کے ہاتھوں میں پہنچ کر سلام کی ادبی حیثیت سنورتی رہی لیکن موضوعاتی کیفیت میں تبدیلی نہ ہوئی۔"(۷)

ڈاکٹر اسد اریب نے اپنی کتاب "اردو مرثیے کی سرگزشت میں" سلام گوئی کا موجد لکھنؤ کے مرثیہ گو شعراءء کو قرار دیا ہے۔ سلام کی صنف کے موجد لکھنؤ کے مرثیہ گو ہیں جنھوں نے مرثیہ میں غزل کے اسالیب کی بنیاد ڈالی میر ضمیر، دلگیر اور فصیح کے سلام بہترین تخلیق خیال کیے جاتے ہیں۔ لکھنؤ کے مرثیہ گو سلام کی صنف کے موجد ہیں یا مرثیہ میں غزل کی صنف کی بنیاد رکھنے والے یہ دونوں باتیں مختلف ہیں مرثیہ کو غزل کے اسلوب میں ڈھالنے کی بات کو لکھنوی مرثیہ گویوں سے منسوب کرنا تو صحیح ہو سکتا ہے لیکن لکھنؤ کے مرثیہ گو شعراء کو سلام کی صنف کا موجد کہنا قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ صنف سلام میں طرزِ جدید کے موجد لکھنؤ کے مرثیہ گو شعراء ہیں اور اس صنف کو مقبول بنانے کا سہرا ابھی خالصتاً انھیں کے سر ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا، علی جواد زیدی کی تحریر سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سلام گوئی کی روایت اس سے زیادہ قدیم ہے جتنی اس کی تحریر سے ظاہر ہوتی ہے زیدی صاحب کی نظر میں سلام گوئی کی روایت ضمیر، دلگیر اور فصیح کے عہد سے کہیں زیادہ پرانی ہے وہ لکھتے ہیں:

"اردو کے قدیم ترین سلام جو شمالی ہند میں اب تک نظر سے گزرے ہیں وہ محمد شاہ رنگیلے کے عہدِ سلطنت سے تعلق رکھتے ہیں۔"(۸)

پروفیسر فضل امام نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

اردو شاعری میں سلام کی روایت شروع سے ہی ملتی ہے اس لیے صنف سخن کا صرف انیس و دبیر کو موجد ٹھہرانا غلطی ہے۔ فضل امام نے سلام نگاری کے سلسلے کو جنوبی ہندوستان سے جوڑتے ہوئے لکھا ہے:

"اب تک کی تحقیق کے مطابق اردو میں سلام نگاری کا سلسلہ بھی جنوبی ہند سے شروع ہوتا ہے اور ولی دکنی کے کلیات میں بھی اس کے نمونے ملتے ہیں"۔(۹)

جبکہ ایک موقع پر فضل امام نے کہا کہ صنفِ سلام نگاری کے آغاز کے متعلق کچھ مستند تو نہیں کہا جا سکتا تاہم متعدد قدیم شعراء کے ہاں سلام نگاری کے ابتدائی نمونے موجود ہیں۔ "اگرچہ سلام گوئی کی تاریخ ابھی تک مرتب نہیں ہو سکی لیکن اتنا تو واضح ہے کہ سلام بھی وہی عروضی ترکیب اور ہئیت رکھتا ہے جو غزلوں کے ساتھ مخصوص ہے"۔ ذیل میں ان شعراء کا مختصر سا تعارف اور سلام نگاری کا حوالہ پیشِ خدمت ہے۔

محمد قلی قطب شاہ (پیدائش: ۱۵۶۵ــــوفات: ۱۱ جنوری ۱۶۱۲ء)

سلطنت قطب شاہی کے پانچویں سلطان تھے۔ ان کا دار السلطنت گولکنڈہ تھا۔ انہوں نے حیدرآباد شہر کی تعمیر کر کے اسے اپنا دار السلطنت بنایا۔ شہر حیدرآباد کو ایرانی شہر اصفہان سے متاثر ہو کر بنوایا سلطان محمد قلی قطب شاہ اردو کے

سب سے پہلے صاحب دیوان شاعر تھے سلطان قلی قطب شاہ عربی، فارسی اردو اور تیلگو زبانوں میں ماہر تھے۔ ان کی شاعری فارسی اور اردو زبان میں ہے۔ اردو شاعری کا دیوان "کلیات قلی قطب شاہ مشہور ہے۔ اور ان کو پہلا صاحب دیوان شاعر (اردو) مانا جاتا ہے۔ ان کے دیوان میں مذہبی شاعری کا بھی ایک بڑا حصہ موجود ہے۔ اس کے دیوان میں حمد، نعت، منقبت، مدح بی بی فاطمہ شاعر کا مذہب، مکھ جوت، سجن کا نور، مناجات، عید میلاد النبی، میلاد النبی کا جشن، عید بعثت نبی، شب معراج، عید سوری، عید مولود علی، عید غدیر، شب برات، شب برات، شب برات کی آتش بازی، شب برات کی خوشی، شب برات کی روشنی، شب برات اور چندر مکھی، کونلی اور شب برات، کھن پر ہلال، عید رمضان، روز عید اور نوا انعام، بقر عید، نوروز، بسنت، پوریوں کی عید، عید اور موسیقی، عید کی مسرت وغیرہ مذہبی مواقع سے متعلق نظمیں اور غزلیں ہیں۔[10] محمد قلی کے دیوان میں تہذیبی و معاشرتی رنگارنگی ہے۔ اور اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہونے کے باوجود اس کے کلام میں موضوعات کی جدت اور ندرت اور رنگارنگی اس بات کی غماز ہے کہ وہ ایک فطری شاعر تھا۔ اور اس نے ایک حقیقی حکمران ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی رعایا کے عیدوں تہواروں اور زندگی کے مختلف مواقع کا بیان اپنی شاعری میں کر دیا۔ جہاں تک محمد قلی قطب شاہ کی مذہبی شاعری کا معاملہ آیئے دیکھیں کہ شاعر کے کیا حالات تھے جس کے سبب اس نے زندگی کے دیگر مواقع کے ساتھ مذہب اور اس سے متعلقات کے بارے میں اتنی تفصیلی شاعری کی۔

جو بارہ اماماں ہیں لکھ ان پہ سلاماں ہیں
ہم ان کے غلاماں ہیں، دن دین محمد کا
صدقے بنی عبداللہ شہ کون ہے، مدد اللہ
پنجتن ہیں گو باللہ، دن دین محمد کا[11]

ابوالقاسم مرزا (۱۷۷۲-۱۸۳۵)

ابوالقاسم مرزا کا شمار سلام کی صنف کے بانیوں میں کیا جائے گا۔ سلام کے ابتدائی نمونے سلام کے عنوان سے مرزا کے یہاں ہی پائے جاتے ہیں۔ مرزا ابوالحسن تاناشاہ کے مصاحب تھے اور قطب عبداللہ کے درباری شاعر تھے۔ تاناشاہ کی حکومت کے خاتمے کے بعد مرزا فقیر ہو گئے اور بقیہ عمر حیدرآباد میں ہی گزاری اور وہیں انتقال کیا۔[12] میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے اردو شاعری کا تقریباً چار سو سال قدیم نمونہ نہ ہونے کے باوجود زبان بہت صاف اور رواں ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

اے حسین ابنِ علی سلام علیک
شاہے جملہ ولی سلام علیک
فاطمہ ہور علی کے دریا کا
توں دُر بے بہا سلام علیک

سرور دیں حسن کا توں بازو
اے دو جگ پیشوا سلام علیک
ہے تیرے نام پر جنم مرزا
جان و دل سوں فدا سلام علیک
اے شہ عالی مقام سلام علیک
ہر دو جہاں کے امام شاہ سلام علیک
مومن کے من تمام شاہ پہ بھیجو سلام
مرزا ہر سوں ہر دم مدامِ شاہ سلام علیک (۱۳)

وجہی (وفات ۱۶۳۵)

ملا اسد اللہ وجہی کئی اعتبار سے قدیم دکنی ادب میں اپنی انفرادی حیثیت کے حامل ہیں۔ وہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ شعراء کی طرح وہ دوسروں کے مضامین پر انحصار کرنے کی بجائے خود مضامین تخلیق کرتے ہیں۔ وجہی کی نثر اور نظم دونوں کا نمونہ ایک ادبی شاہکار کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔ (۱۴)

وجہی کے رثائی اشعار کی ادبی حیثیت کے بارے میں کوئی تفصیلی گفتگو نہیں کی جاسکتی اشعار کے مطالعے سے صرف اس زمانے کی زبان اور رثائی شاعری کے رجحان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وجہی کے مفردہ کی ہیئت میں ایک رثائی کلام ملتا ہے، جسے بیشتر محققین نے مرثیہ کے عنوان سے نقل کیا ہے۔ علی جواد زیدی نے "العلم" جریدے کے مرثیہ وسلام نمبر میں ذیل کے اشعار کو مراثی کے عنوان سے ہی نقل کیا:

عطارد کیا مشتری کو سلام
کہ شہ میں ہوں تیرا کمینہ غلام
حسین کا غم کرو عزیزاں
انجو نین سوں جھڑو عزیزاں
بنا جو اوّل ہے غم کا
عرش گگن، مور، دھرے ہلایا
فضا میں جوں جوں لکھیا ابھی
گریا حسین پر ادھی سمایا
حسین پو یاراں درود بھیجو
کہ دین کا یو، دیوا جلایا

تمہارے وجہی کوں یا اماماں
نہیں تمن بن یواس کو سایا[۱۵]

نعیم

یورپ میں دکنی مخطوطات میں نعیم کے مرثیے کے عنوان سے تین شعر لکھے ہوئے ہیں۔ کتاب میں نعیم کا پورا نام بھی نہیں ہے نہ نعیم کے حالاتِ زندگی اور کلام کے بارے میں کوئی ولادت اور وفات کا سن ہے۔ [۱۶]

اشعار کے رنگوں اور طرزِ قدیم ہونے کے باوجود زبان صاف سادہ پُر اثر اور آسان ہے کتاب میں تینوں شعر مرثیے کے عنوان سے لکھے ہوئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نعیم کے زمانے میں سلام کسی بھی منزل میں متعارف نہیں ہوا تھا۔ ورنہ ان اشعار کو سلام کے عنوان سے درج کرنے میں کسی تکلیف اور رکاوٹ کی گنجائش نہیں تھی۔

شہ کئیں صبا تو روز جد کوں سلام کہنا
بے دفن بے کفن کا جا کر پیام کہنا
سر کاٹ ظالموں نے تن سے جدا کیا
سر تو چلا سفر کوں تن کا مقام کہنا
تیرے نعیم دل میں ہے نقش بندگی کا
کہتا ہے دو کہہ سیں رو رو شہ کا غلام کہنا۔[۱۷]

سلطان عبد اللہ قطب شاہ (۱۶۱۴ - ۱۶۷۴)

سلطان عبد اللہ قطب شاہ کا تخلص قطب عبد اللہ تھا وہ ایک اچھے شاعر اور موسیقی کے ماہر تھے۔ انہوں نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کی قطب عبد اللہ محمد قلی قطب شاہ کے نواسے تھے۔ ۱۰۳۵ ہجری میں اپنے والد سلطان محمد قطب شاہ کے انتقال کے بعد تخت نشیں ہوئے۔ عبد اللہ گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت کے ساتویں فرماں روا تھے۔ عبد اللہ نے اپنے نانا اور والد کی طرح اردو زبان کی سرپرستی کی اُن کے دور کو اردو شاعری کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔

امیر علی جونپوری نے لکھا ہے کہ:

"اہل بیت سے عقیدت کی وجہ سے قصیدے، منقبت اور سلام و مرثیے بھی کہے۔"[۱۸]

قطب عبد اللہ کے مرثیے بیان کے اعتبار سے منفرد اور زبان کے اعتبار سے بہت صاف ہیں کیونکہ اس زمانے میں زبان کی تراش خراش، سجاوٹ اور بناوٹ پر کافی محنت ہو رہی تھی۔ غواصی، وجہی اور مرزا قطب عبد اللہ کے درباری شعراء تھے ان شعراء کا سارا رثائی کلام مرثیہ کے عنوان سے درج ہے۔ لیکن "ارمان زینب" "عزائے حسین" کتاب میں قطب عبد اللہ کے مندرجہ ذیل سلام کے عنوان سے نقل کیا گیا ہے:

علی اور فاطمہ کرتے ہیں دونوں آج زاری بھی
حسن اور حسین کا دکھ لے آیا جگ پوخواری بھی
شہیداں ہر طرف چرنے لگا یو دوکھ اپاری بھی
وصیت یو کیے جاتے، نکو رو تم آپ بہا نے
یتیماں کو سنبھالو ہور، تمر بھی سکھا کو ہور
بہت میراں سوں پالو ہور، رہیں گے یادگاری بھی
حسین کا دوکھ دل منے آس لگا یک چت سوں دائم وہاں
کرے قطب عبداللہ سلطان دونوں سوں شہریاری بھی(۱۹)

ولی دکنی (۱۷۰۷-۱۶۶۷)

ولی کے نام اور وطن کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہل گجرات انہیں گجرات کا باشندہ ثابت کرتے ہیں اور اہل دکن کی تحقیق کے مطابق ان کا وطن اورنگ آباد دکن تھا۔ ولی کے اشعار سے دکنی ہونا ثابت ہے۔ ولی اللہ ولی، سلطان عبداللہ قلی، قطب شاہوں کے آٹھویں فرماں روا کے عہد میں ۱۶۶۷ء میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد حصول علم کے لیے احمد آباد آگئے۔ جو اس زمانے میں علم و فن کا مرکز تھا۔ وہاں حضرت شاہ وجیہہ الدین کی خانقاہ کے مدرسے میں داخل ہو گئے۔ ولی کی عمر کا بیشتر حصہ احمد آباد میں گزرا۔ ولی نے گجرات، سورت اور دہلی کا سفر بھی کیا۔ اس کے متعلق اشارے ان کے کلام میں موجود ہیں۔ یوں تو ولی دکنی اردو شاعر کہلاتے ہیں لیکن اُن کے کلام کا بہت سا حصہ اس زبان میں ہے جو فصیح مانی جاتی ہے اور ہمارے روزمرہ کی زبان میں داخل ہے۔ گویا ولی نے اپنے زمانے سے ڈھائی سو برس بعد کی زبان کا صحیح اندازہ کر لیا۔(۲۰) ولی کا کلام بڑا خوش رنگ اور خوشگوار ہے۔ بہار آفریں الفاظ، خوش صورت تراکیب، گل و گلگشت کی تکرار، حسن کے ترانے اور نغمے، مناسب بحروں کا انتخاب اور اسالیب فارسی سے گہری واقفیت اور ان سے استفادہ ان سب باتوں نے ولی کو ایک بڑا رنگین شاعر بنا دیا ہے۔ ولی ایک ذہین شاعر تھے۔ جنہوں نے مروجہ اظہار کے سانچوں کے جائزے کے بعد اپنی شعری بصیرت کی مدد سے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ اُس وقت مروجہ زبان، اعلی شاعرانہ خیالات کے اظہار کے قابل نہیں چنانچہ انہوں نے خود زبان کے سانچوں کو مرتب کیا۔ ولی کی زبان ان سے پہلے غزل گو شاعروں سے قطعی طور پہ مختلف محسوس ہوتی ہے۔ ان کی شاعری پڑھتے ہوئے اس تبدیلی کا نمایاں احساس ہوتا ہے۔ یہ زبان مقامی ہندی اور فارسی الفاظ کا ایک خوبصورت آمیزہ ہے اس طرح ان کی زبان میں سلاست و شگفتگی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ ولی حقیقی شاعر تھے انہوں نے دلی میں ولی کے سلاموں کی دھوم تھی چنانچہ مرثیہ نگاروں کے علاوہ غزل گو شعراء بھی حصول ثواب کی خاطر سلام کہہ لیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ دکن میں ولی کے ہاتھوں اس روایت کی بنا پڑ چکی تھی۔ ولی کا نمونہ سلام دیکھیے گا:

اس نور مصطفیٰ پر بولو سلام یاراں
محبوب مصطفیٰ پر بولو سلام یاراں
اس پاک پارسا پر حیدر کے دل ربا پر
اس لعل بے بہا پر بولو سلام یاراں
یو جی ولی فدا کر اس شاہ کربلا پر
اس لائقِ ثنا پر بولو سلام یاراں[۲۱]

درگاہ(۱۷۶۶-۱۷۰۸)

درگاہ قُلی خان نے فارسی اور اردو زبان میں مرثیے کہے جو کئی ہئیتوں میں ملتے ہیں۔ درگاہ کی زبان بہت ترقی یافتہ اور عام فہم ہے الفاظ کا استعمال بے تکلف، شستہ، شائستہ اور بر محل ہے۔ ترکیب و استعارات اور محاورات کا استعمال نہایت موزوں اور مناسب ہونے کی وجہ سے اشعار کی لے مترنم ہوتی جاتی ہے جس سے قاری کی دلچسپی بڑھتی جاتی ہے [۲۲]

درگاہ کے دور کے سلام کی صنف کو ایک معیار حاصل ہوا نمونہ کے طور پر ایک سلام نقل کیا جاتا ہے جس میں جناب رسول خدا، جناب فاطمہ زہراؑ اور بارہ اماموں کا ذکر ملتا ہے۔

ادب سے فاتحہ پڑھ کر کہو نبی پر سلام
نبی کی قوتِ بازو علی ولی پہ سلام
جناب اقدسِ خاتونِ حشر پہ ہو صلوات
شہید جرعہ زہر ہلاہلی پہ سلام
لڑے ہیں جا کے ہزاروں سے باتن تنہا
شہ سریر شجاعت مہابلی پر سلام
یتیم و بے کس و مظلوم عابد و سجاد
وہ نور چشم و جگر گوشہ علی پہ سلام
محیط علمِ لدنی محمدِ باقر
پناہ روز قیامت کی کھلبلی پہ سلام
امام جعفرِ صادق منورِ ملت
شجاع آئینہ دین صیقلی پہ سلام
امام موسی کاظم قسیمِ نار و نعیم
بہار ناد علی و سینجلی پہ سلام

امام ثامن ضامن کل ریاض رضا
گل حدیقۂ احساں امام ہر دو جہاں
بہار باغِ ولایت علی نقی پہ سلام
ادب سے بندہ درگاہ بھیجتا ہے مدام
جناب اقدسِ اثنا عشر ولی پہ سلام[۲۳]

(الف)اولین شعراء کی سلام نگاری

یکرو(وفات ۱۷۵۲)

یکرو کا نام عبدالوہاب تھا آبرو کے شاگرد تھی نکات الشعراء کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ میر ان سے ذاتی طور پر واقف تھے اور انہیں دو تین مرتبہ مشاعروں میں دیکھا تھا۔ یکرو کا رثائی کلام قدیم طرز کے منفرد کی ہیئت میں ہے اور نوحہ کے عنوان سے ان کے دیوان میں موجود ہے۔ انہیں نوحوں میں سے ایک نوحہ کو علی جواد زیدی نے "العلم" کے مرثیہ و سلام نمبر میں سلام کے عنوان سے درج کیا ہے۔[۲۴]

چونکہ یہ کلام اس دور کی تخلیق ہے رثائی شاعری اپنی ابتداءئی منزل میں تھی اور رثائی اصناف کی درجہ بندی نہیں ہوئی تھی۔ مگر چونکہ ان کے دیوان میں نوحہ کا عنوان موجود ہے لہٰذا سلام کی صنف کے تقاضوں سے مطابقت رکھنے کے سبب سلام کی صنف کا اولین نقش بھی تصور کیا جاسکتا ہے۔

اے مدینے کے ستارے السلام
کربلا کے سر اتارے السلام
یا شاہ جتے تن ہیں تمہیں کرتے ہیں سلام
کیا روح بدن ہیں تمہیں کرتے ہیں سلام [۲۵]

یکرو کے عہد میں دبستانِ دہلی کی بنیاد پڑی اور شمالی ہندوستان میں شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوا اس عہد کے بعد اردو شاعری کو ہندوستان گیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی اور میر و سودا اور درد جیسے تاریخ ساز شعراءکے لیے زمین ہموار ہوئی۔

ضاحک(ولادت ۱۷۰۷وفات ۱۸۸۲)

ضاحک کا نام غلام حسین تھا اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ ان کی زبان صاف، شستہ اور رواں ہے ضاحک کا تعلق اس دور سے ہے جب اردو کو صاف اور عام فہم بنانے کے لیے محمد شاہ رنگیلے نے ایک دفتر قائم کیا۔

جہاں الفاظ کی تراش خراش کے بعد والیانِ ریاست کو بھیجے جاتے تھے تاکہ وہ انہیں اپنے زیر اقتدار علاقوں میں رائج کریں۔[۲۶]

ضاحک کا بیشتر کلام نایاب ہے میر تقی میر، سودا اور خواجہ میر درد کے ہم عصر تھے عموماً محرم میں ثواباً مرثیہ و سلام کہتے تھے اور ان میں ضاحک کے بجائے غلام حسین تخلص نظم کرتے تھے ان کا عکس ان کے اشعار میں بھی نظر آتا ہے۔ سلام کے چند اشعار بطور نمونہ نقل کئے جاتے ہیں:

اے شہِ عالی نسب تم پہ صلوٰۃ و سلام
خسروِ والا حسب تم پہ صلوٰۃ و سلام
دل سے سدا یہ غلام تم کو کہے ہے مدام
بھیجے ہے ہر روز و شب تم پہ صلوٰۃ و سلام[۲۷]

سلام کے یہ چند اشعار اس دور کی مثال اور نمونہ ہیں جب یہ صنف اپنے ابتداءئی خدوخال طے کر رہی تھی۔ ابتداء میں منفردہ کی ہیئت سلاموں کے لیے مخصوص نہیں ہوتی تھی اس لیے کلام اپنے ابتداءئی دور کے بعد کا نمونہ ہے اس موقع پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انہیں کے ہم عصر محمد رفیع سودا کے یہاں مربع کی ہیئت میں سلام موجود ہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضاحک نے آنے والے زمانہ کے مزاج اور رجحان کو پہچان لیا تھا یا وقت اور حالات نے خود کو ضاحک کی مرضی کے مطابق ڈھال لیا اور سلاموں کے لیے منفردہ کی ہیئت مخصوص کر لی۔

سودا (۱۷۰۷۔۱۷۸۱)

مرزا رفیع الدین سودا قصیدہ گوئی کے لیے مشہور ہیں ہجو گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے مجھے غزلوں کے علاوہ مرثیے اور سلاموں کا معیاری ذخیرہ ان کی کلیات میں ملا ہے سودا نے اپنے ہم عصر میر محمد تقی گھاسی کے سلام اور مرثیے پر منظوم تنقید کر کے سلام کی صنف میں باقاعدہ تنقید کی بنیاد ڈالی۔ سلام کی صنف کو ادب کے معیار پر لانے میں سودا کا کلیدی حصہ ہے سودا کے کلیات میں کل بارہ سلام ہیں جن میں نو منفردہ کی شکل میں ہیں اور تین مربع کی شکل میں ہیں۔[۲۸]

نبی کے نورِ بصر پر کہو درود و سلام
علی کے لختِ جگر پر کہو درود و سلام
کہیں ہیں عرش کے مکان سے سدا جبرئیل
امامِ جن و بشر پہ کہو درود و سلام[۲۹]

سودا کے زمانے تک سلام کے موضوعات بہت تھے۔ کچھ مخصوص موضوعات کو ہی سلام گوئی کا مقصد سمجھا جاتا تھا۔

آفتاب (ولادت ۱۷۴۸/وفات ۱۸۰۶)

العلم جریدے کی مرثیہ و سلام نمبر میں "شاہی نذرانہ" عقیدت کے عنوان سے شاہ عالم ثانی آفتاب کا ایک سلام درج ہے۔ عام بول چال کی زبان میں یہ سلام مغلیہ عہد کی آخری زمانہ کی زبان و تہذیب کا عمدہ مرقع ہے۔ مذکورہ سلام میں ہندوی یا ہندوستانی زبان کی مکمل جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

کہتی تھی سکینہ بھائی پیاری تیر کے مارے لیجیو سلام
اماں جائے روداد دھاری مرن ہارے لیجیو سلام
شمس و قمر، زہرہ و عطارد، مشتری و مریخ، زحل
رو رو پکارے ہائے سما پر سارے ستارے لیجیو سلام
میں تو تمہارے در کا بھکاری مہر سے اس پر کرنا نظر
کہتا ہے تم سے شاہِ عالم پیر ہمارے لیجیو سلام[۳۰]

میر تقی میر (۱۷۲۳/وفات ۱۸۱۰)

میر تقی میر کی شاعری کی اپنی ایک امتیازی شان اور انفرادی شناخت ہے آنکھوں کو نم کر دینے والی غزلیہ شاعری میر کے یہاں ہی دیکھنے کو ملتی ہے اگرچہ میر کے مرثیے اور سلاموں میں حزن و ملال کی وہ کیفیت اور تاثیر نہیں جو ان کی غزلوں کی انفرادیت اور امتیاز ہے۔ لیکن اس دور کی سلام گوئی کے فن کے معیار کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ان کی ادبی اہمیت مسلّم نظر آتی ہے۔

اے بدخشاں نبی کے لال احمر السلام
وے گلستاں علی کے لالہء تر اسلام
ایک ساعت ہی میں امت پھر گئی نانا کی سب
کیا قیامت لائی تیرے سر کے اوپر السلام
بوند بھر پانی نہ دریا پر تجھے پینے دیا
ہے تمنائے دلِ ساقیِ کوثر السلام
تو تو شاہِ دین تھا ایسا ہو کہ بے کس کیوں ہوا
اب نہ تن پر سر ہے نہ سر پر ہے افسر السلام
کیا ستم کشیاں بیاں تیری کرے دل خستہ میر
نام تیرا سن کے آنکھیں ہوتی ہیں تر السلام[۳۱]

میر حسن (ولادت ۱۷۲۳ وفات ۱۷۸۶)

میر حسن کا نام غلام حسن تھا ضاحک کے بیٹے اور میر انیس کے دادا تھے مثنوی سحر البیان کے ذریعے آسانی سے پہچانے جاتے ہیں۔[۳۲] میر حسن نے مرثیے اور سلام بھی کہے ہیں سلام کا طرز روایتی اور رثائی ہے پورے سلام میں شروع سے آخر تک سوگواری کی فضا چھائی ہوئی ہے وارداتِ قلبیہ اور معاملاتِ ذہنیہ جیسے مضامین جو ترقی یافتہ دور کے سلاموں کی امتیازی شناخت تصور کیے جاتے ہیں، ان کی کوئی علامت میر حسن کے سلاموں میں نہیں پائی جاتی البتہ زبان کی صحت وصفائی کے نمونے بدرجہ اتم موجود ہیں۔ محاورات اور ضرب الامثال کا برمحل استعمال شعر کے مفہوم میں دردانگیزی کو دوبالا کر دیتا ہے۔

مندرجہ ذیل سلام کی انفرادیت یہ بھی ہے کہ پورا سلام حضرت علی اکبر کو معنون ہے۔ سلام کے چند اشعار نمونہ کے طور پر درج کیے جاتے ہیں:

سلامی بین ماں کرتی تھی لے لے نام اکبر کا
نہ چاہا گردشِ افلاک نے آرام اکبرؑ کا
قضا آئی جوانی میں نہ ہونے پائی شادی بھی
قیامت بھر رہا دنیا میں دل ناکام اکبر کا
وطن میں ایک مدت انتظاری میں رہی صغراؑ
نہ پہنچایا قضا نے اس تلک پیغام اکبر کا
تڑپ کر شام کے زندان میں کہتی تھی یہ بانو
پڑا ہے ریگِ صحرا پر تنِ گلفام اکبر کا
حسن منظور ہے گر مغفرت اپنی قیامت میں
تو ہر دم چاہیے رکھنا زباں پر نام اکبر کا[۳۳]

میر حسن کا ڈھائی سو سال پرانا یہ کلام زبان وبیان کی تازگی کے اعتبار سے آج بھی اپ ٹو ڈیٹ معلوم ہوتا ہے

مرزا غالب (۱۷۹۷ تا ۱۸۶۹)

مرزا اسد اللہ خان غالب کی شہرت اور مقبولیت تو ان کی غزل گوئی سے ہے یا خطوط نویسی ہے انہوں نے اپنی ایک غزل میں سلامیہ عنصر کو لفظِ سلامت کے طور پہ بطور قافیہ استعمال کیا چند اشعار درج ذیل ہیں:

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

جگر کو مرے عشق خوں نابہ مشرب
لکھے ہیں خداوند نعمت سلامت
نہیں گر سرو برگِ ادراک معنی
تماشائے نیرنگ صورت سلامت
تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار(۳۴)

سلام کے عناصر اربعہ نعت، منقبت، نوحہ اور غزل کے مضامین عالیہ پر مشتمل ہیں غزل کے مضامینِ عالیہ سے مراد ہے کہ جن دقیق، عمیق، فلسفیانہ، صوفیانہ، تہذیبی و نفسیاتی مضامین کے بوجھ سے غزل کی کمر لچک جاتی ہے انہیں باآسانی سلام کے مضبوط کندھوں پر بار کیا جاسکتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کے میرے مذکورہ بالا معروضات سے سلام کے تعارف کا حق ادا ہوا یا نہیں؟ لیکن مجھے اتنا معلوم ہے کہ اگر میں اس مقام پر ایک شاعر کے ایک سلام کا تذکرہ نہ کروں تو خود مجھے اپنی اس خطائے اجتہادی پر زندگی بھر پشیمانی رہے گی۔ یہ وہ شاعر ہے جس نے شاید زندگی میں ایک ہی سلام لکھا، ایسا سلام کہ آج کا ہر سلام اور ہر مرثیہ اس کی فکر انگیزیوں کی بازگشت محسوس ہوتا ہے۔

سلام اسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو
تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اس کو
نہ بادشاہ نہ سلطاں یہ کیا ستائش ہے
کہو کہ خامسِ آلِ عبا کہیں اس کو
نبی ﷺ کا ہو نہ جسے اعتقاد، کافر ہے
رکھے امام سے جو بغض، کیا کہیں اُس کو؟(۳۵)

داغ (ولادت ۱۸۳۱ وفات ۱۹۰۵)

نواب مرزا داغ خاں کا اصل نام ابراہیم تھا۔ داغ اپنی زبان دانی کے لیے مشہور ہیں اور سند کا درجہ رکھتے ہیں ان کے شاگردوں کی فہرست بہت طویل ہے داغ کا زمانہ دہلوی مرثیہ نگاری کے عروج کا آخری زمانہ تھا کیونکہ ۱۸۵۷ء کی تباہی کے بعد ایک ایک کر کے سبھی شعراء نے دہلی چھوڑ دیا تھا۔

جب داغ سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی بارگاہ میں سلام پیش کرتے ہیں تو انتہائی عقیدت و احترام سے کربلا کا نقشہ کھینچتے ہیں اور قاری خود کو مقام کربلا میں پاتا ہوا محسوس کرتا ہے۔

سلام اس کو کیا جس کے نام چار طرف
اسی کے نام درود و سلام چار طرف

پڑی تھی گھیرے ہوئے فوج شام چار طرف
حسین بیچ میں تھے روک تھام چار طرف
جب ایک بار ہی ساری سپاہ ٹوٹ پڑی
کیا ہے شاہ نے کیا قتلِ عام چار طرف
مدد کہیں سے نہ پہنچے یہ سب کو دھڑکا تھا
حسین ابن علی کا تھا نام چار طرف(۳۶)

(ب) متوسطین کی سلام گوئی

شمالی ہندوستان میں سلام کی آمد کا سلسلہ جنوبی ہندوستان سے آمد ورفت اور علمی و ادبی لین دین کے ذریعے شروع ہوا اس لین دین کے سلسلے کا آغاز اس وقت ہوا جب جنوبی ریاستوں کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا اور دلّی کی سلطنت بھی شکست و ریخت کی منزلوں سے گزر رہی تھی۔ لیکن سلام کی ترقی کا زمانہ بھی وہی تھا جو مغلیہ سلطنت کے زوال کا زمانہ تھا سلطنت کی زوال کے آخری ایام جب سلام کی صنف کے لیے بھی ناساز گار اور ناموافق ہونے لگے تو یہ صنف اپنے قدردانوں کے ساتھ ہجرت کر کے دلی سے اودھ آ گئی۔ شمالی ہندوستان میں دہلی کے بعد اودھ کا علاقہ تقریباً تمام اصنافِ شاعری کے لیے مناسب، موزوں اور زرخیز ثابت ہوا اس طرح دلی کے اجڑے ہوئے چمن کو اودھ کی ساز گار اور خوشگوار فضا میں لہلہانے اور پھلنے پھولنے کا پورا موقع ملا۔

اودھ میں سلام گوئی کے سلسلے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلا حصہ سلام گوئی کے ترقی یافتہ زمانے کو محیط ہے اور یہ دو طرح کے حالات سے متاثر ہے۔ پہلی صورتِ حال اودھ کی ریاست کی خوشحالی سے عبارت ہے اور دوسری حکومت اودھ کی تباہی اور زوال کے بعد کے زمانے کا احاطہ کرتی ہے پہلے حصّے کے سلاموں پر غزلیت اور خوش دلی کا رنگ غالب ہے اور دوسرے حصے کے سلاموں پر رثائیت کے ساتھ اداسی اور خاموشی کے اثرات کا ملا جلا سایہ ہے۔ دوسرے حصہ میں ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد کی تباہی و تاراجی کے بیانات کا استعاراتی عکس کہیں آہستگی اور کہیں بلند آہنگی کے ساتھ حسرت و یاس کی ملی جلی فضا میں نظر آتا ہے۔ ۱۸۵۷ کا انقلاب دیکھنے والی جماعت نے اودھ کی خوشحالی کے بعد وہاں کی بدحالی کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس وجہ سے ان شعراءء کے ہاں انقلاب کے بعد کی شاعری میں ملال اور اداسی کا عنصر غالب ہے۔ اس کے بعد متاخرین کا زمانہ آتا ہے جن کی ابتداء انیس و دبیر کی زندگی کے آخری ایام سے ہوتی ہے۔ ان شعراء کا کلام ۱۸۵۷ کی تباہی و تاراجی کے اثرات سے خالی ہے اور ایک نئے مزاج اور رویے کا پتہ دیتی ہے۔ اس باب میں دونوں زبانوں کے شعراء کا ذکر ہے ان کے کلام کے نمونوں سے مذکورہ بالا بیانات اور دعوؤں کی تصدیق ہو گی۔

چھنولال دلگیر لکھنوی (۱۷۸۳ تا ۱۸۴۸)

دلگیر نے سلام بہت کہے مرثیوں کی بنسبت ان کے سلاموں کو شہرت بھی زیادہ ملی شاد عظیم آبادی نے دلگیر کے سلاموں کے دیوان کی ترتیب کے سلسلے میں لکھا ہے:

"سلام کا دیوان ردیف وار انہوں نے جمع کیا ہے اب تک تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ سلام میں بطور غزل شعر کہہ جانا دلگیر کی ہی ایجاد ہے۔ بعد میں دلگیر کے اساتذہ نے اس کی پیروی کی مرثیہ گوئی کو ترقی یافتہ نہج عطا کرنے والوں میں دلگیر کا نام بہت اہم ہے دلگیر کی زبان میں لکنت تھی اس وجہ سے ان کے مرثیے دوسرے مرثیہ خواں پڑھا کرتے تھے۔ دوسرے مرثیہ گویوں کی بنسبت ان کے مرثیوں کو شہرت اور مقبولیت اس وجہ سے زیادہ ہوئی کہ ان کے مراثی غذائی اور بینیہ ہوتے تھے۔ (۳۷)

دلگیر کے سلام بھی مرثیہ ہی کی طرح غذائی اور رثائی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوتے تھے۔ بعد میں کچھ انحراف نظر آتا ہے یہ وہی انحراف ہے جس کی بنیادوں پر انیس و مونس نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں۔ واقعہ کربلا کی یاد میں چار سو سے زائد مرثیے لکھنے والے ہندو شاعر چھنولال دلگیر نے شام غریباں کے منظر کو تصور کرتے ہوئے ایک سلام لکھا جو اس خطے میں منعقد ہونے والی ہر مجلس شام غریباں کا لازمی جزو بن گیا۔ لکھنو میں یہ کلام ہمیشہ پڑھا جاتا تھا لیکن پچاس کی دہائی میں مرحوم ناصر جہاں نے اس کلام کو مختلف طرز سے پڑھ کر اسے ہمیشہ کیلئے مجلس شام غریباں سے منسوب کر دیا۔

چھنولال نے اس وقت کے دوسرے شعراء کی طرح شاعری کی ابتداء غزل گوئی سے کی۔ اور طربؔ تخلص اختیار کیا۔ شیخ امام بخش ناسخؔ سے استفادہ کرتے تھے۔ تیس برس کی عمر میں ان کا شمار لکھنؤ کے بہترین شعراء میں ہونے لگا تھا۔ نواب سعادت علی خاں کے مصاحبین میں شامل تھے۔ نواب صاحب نے انہیں طرح طرح کی نوازشوں سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز کیا تھا۔ برسوں تک ان کی سرکار سے وابستہ رہے۔ نواب سعادت علی خاں کے انتقال کے بعد انہوں نے دربار چھوڑ دیا۔ طبیعت میں بدلاؤ آ گیا۔ غزل گوئی ترک کر کے سلام اور مرثیہ گوئی کی طرف راغب ہو گئے۔ اسلام قبول کر کے اپنا نام غلام حسین رکھ لیا اور صرف سلام اور مرثیہ لکھنے لگے۔ طربؔ تخلص ترک کر کے دلگیرؔ تخلص اختیار کیا اور تعزیہ رکھنا اور مجالس بپا کرنا شروع کر دیں۔ اور پھر ساری عمر مدح اہل بیتؑ میں گزار دی۔

سلامی کیا کوئی بیکار ہے جی سے گزر جانا
حیاتِ جاوداں ہے شاہ کے ماتم میں مرجانا
نہ آتا جنہیں راہ حقیقت سے گزر جانا
حسینؑ ابن علیؑ سے سیکھ لیں وہ لوگ مرجانا (۳۸)

مصحفی (ولادت ۱۷۴۷ وفات ۱۸۲۴)

شیخ غلام ہمدانی مصحفی کو شعر گوئی کا ذوق بچپن سے تھا غزلیں کہتے تھی زمانے کے رجحان اور لکھنؤ کی مرثیہ گوئی کی عام فضا سے متاثر ہو کر مصحفی نے سلام اور مرثیے بھی کہے۔ ان کے سلام روایتی طرزِ سلام گوئی کی عمدہ مثالیں ہیں۔ دو سلاموں سے چند شعر نمونہ کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

سلامی اشک یہ چشم مومنیں تر ہے
کہ جس سے فرش ہے نم ناک اور زمیں تر ہے
لکھوں میں حال شہیدوں کا مصحفی کب تک
کہ دیدہ قلم معجزہ آفریں تر ہے
سلامی دیکھ امام زماں کی تن کی طرف
پھر اس کے بعد لہو ڈوبے پیرہن کی طرف
لگے تھی زخم زبس پیکر مقدس پر
نگاہ جاتے ہوئے ڈرتی تھی بدن کی طرف
کھلی تھی آنکھ جو اس سرور شہیداں کی
رہی تھی دیکھ وہ اس وقت بھی بہن کی طرف
کدائے لاشوں پہ گھوڑے ستم شعاروں نے
نگاہ کی جیو اس قوم کے چلن کی طرف (۳۹)

مصحفی نے اسی سلام کے مقطع میں اپنی زبان کی فصاحت اور امتیاز کی جانب اس طرح اشارہ کیا ہے

ہے مصحفی کے کلامِ فصیح میں یہ سلام
ذرا زباں کی طرف دیکھ اور سخن کی طرف (۴۰)

ان کی ایک غزل میں سلامیہ رنگ ملاحظہ کیجیے:

میرا سلام وہ لیتا نہیں مگر سمجھا
کہ یہ غریب ہے اس کا سلام کیوں لیجیے (۴۱)

ناسخ (ولادت ۱۷۷۳وفات ۱۸۳۹)

شیخ امام بخش ناسخ کی شناخت اور شہرت دبستان لکھنؤ کے بانی کی حیثیت سے ہوئی۔ ناسخ زبان کی اصطلاح اور صفائی کے لیے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ اشعار میں ان کی پوری توجہ زبان کی صفائی پر ہی ہوتی ہے ناسخ نے بادشاہ و امرا کی شان میں قصیدے نہیں کہے لیکن اہل بیت کی شان میں ان کے متعدد قصیدے موجود ہیں۔

عاشق صادق ہو تم نور الٰہی السلام
کربلا کے دشت کے بے جاں سپاہی السلام
دین احمد کا کیا سر دے کے تم نے استوار
یہ گدا ہے تجھ غلاموں کا غلام امیدوار
اس کے خط پر ہووے تجھ شہ کی گواہی السلام[۴۲]

فصیح (ولادت ۱۷۷۲وفات ۱۸۵۳)

مرزا محمد جعفر حسین نے سلام گوئی کا جو نرالا اور اچھوتا انداز اپنایا اس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی سلام قاری اور سامع دونوں کے اندر ایک طرح کا کیف پیدا کر دیتے ہیں اور دل امڈا چلا آتا ہے

وہ سلام کہیے حسین پر کہ بہشت جس کا صلہ ملے
یہ طلب تو اپنی طرف سے ہے، یہ وہاں سے دیکھیے کیا ملے[۴۳]

الفاظ کی سادگی بحروں کی روانی، لہجہ کی ترنم اور نغمگی میں عقیدت و محبت کا ایک سیلاب موجزن نظر آتا ہے شاد عظیم آبادی نے فصیح کے سلاموں کی فصاحت و بلاغت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"جب مرزا فصیح کا سلام پڑھا جاتا تھا تو مرزا دبیر جھومنے لگتے تھے اور میر انیس کو یہ کہتے سنا کہ فصیح حقیقت میں اسم با سمیٰ ہے"[۴۴]

فصیح نے بہت بار حج و زیارت کا سفر کیا اور وہاں قیام کے دوران بہت سے سلام کہے:

سلام لکھتا ہوں میں حرم میں قلم سے زمزم ٹپک رہا ہے
سر اپنا کعبہ کے سنگ در پر سیاہ پردہ لٹک رہا ہے
جو سلام کہے بصد ادب شہہ تشنہ لب کی جناب میں
وہ بروز حشر عجب نہیں کہ رواں ہو شہہ کی رکاب میں
کفن پہنے شہہ مظلوم کے انصار رن میں تھے
سلامی چاند سے چہرے وہ تابندہ کفن میں تھے[۴۵]

فصیح کے علاوہ یہ منفرد طرز اور لب ولہجہ کسی اور کے یہاں نظر نہیں آتا۔

میر انیس (ولادت ۱۸۰۳ وفات ۱۸۷۴)

میر انیس کا نام میر ببر علی تھا۔ میر مستحسن خلیق کے سب سے بڑے بیٹے تھے اس لیے لوگ انہیں بڑے میر صاحب کہا کرتے تھے۔ انیس کی ولادت فیض آباد کے محلہ گلاب باڑی میں ہوئی۔ فیض آباد اور لکھنؤ کے نامور علماء اور صاحبانِ فکر و فن سے کسبِ فیض کے بعد شاعری کے میدان میں قدم رکھا اور اپنے والد کی شاگردی اختیار کی۔(۴۶) مرثیہ خوانی کا ہنر بھی انہوں نے اپنے والد سے ہی سیکھا تھا۔

انیس سے پہلے سلام کا عمومی مزاج مدحیہ اور رثائی تھا اور یہی طریقہ انیس کے زمانے تک جاری رہا انیس نے اخلاقی مضامین یہاں تک کہ بینیہ اور غم انگیز مضامین میں بھی ایک انوکھے اور نرالے قسم کا تغزل پیدا کیا ہے۔ انیس کے زمانے تک سلاموں میں ایک خاص بات یہ ہوتی تھی کہ ہر سلام "سلام اس پر" پر یا "مجرا اسے" یا سلامی یا مجرائی سے شروع ہوتا تھا۔ سلام عموماً مرثیوں کی طرح مسلسل ہوتے تھے اور شعر مصائب اہل بیتؑ اور ذکر شہدائے کربلاؑ اور دیگر واقعات کے لیے وقف ہوا کرتے تھے۔ ذاتی یا عمومی زندگی معاملات یا غزل تصوف کے مسائل و مضامین کے لیے جگہ سلاموں میں عموماً بہت کم ہوتی تھی کبھی کبھی شاعر مطلع یا مقطع میں اپنے بارے میں کچھ نظم کر دیا کرتا تھا۔

میر انیس نے معرکۂ کربلا کو روح کی آنکھ سے دیکھا تو اس طرح دیکھا کہ جیسے وہ فی الواقعہ ہوا تھا۔

جب میں انیس کے بیان کو دیکھتا ہوں تو مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبان کا کوئی جادوگر یا ساحر ہے جو لفظوں کو زندگی عطا کر رہا ہے۔ لفظوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور پورا منظر کھنچ کر نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے کلام انیس کو پڑھا تو مجھے یہی محسوس ہوا کہ انیس نے پہلے تو غم حسین علیہ السلام کو غم ذات بنایا پھر اس غم ذات کو غم کائنات بنا دیا۔

آج بھی جب میں کبھی اپنے ذاتی غم کے لئے کوئی پناہ گاہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں، تو کلام انیس پڑھتا ہوں، مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جیسے کربلا میں بہتر نہیں تہتر نفوس تھے اور شاید انیس جسم کے لحاظ سے نہ سہی، روح کے لحاظ سے اس معرکے میں ضرور شریک تھے۔

یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہو گرد آفتاب کے(۴۷)

ذرا تصور کریں اس شعر میں کیسی نادر اور دل میں اتر جانے والی تشبیہ دی ہے، یہ انیس کا کمال فن ہے، یہ ان کی عظمت ہے، یہ ان کی تخلیقی ریاضت ہے جس کا سرچشمہ کبھی خشک نہ ہوگا اور ہمیشہ دنیا سے اپنی روانی کی داد پاتا رہے گا۔ اردو ادب میں منظر نگاری کا سب سے گراں قدر ذخیرہ انیس کا کلام ہے۔

الطاف حسین حالی نے اپنی کتاب "مقدمہ شعر و شاعری" میں لکھا ہے کہ:

"میر انیس کو اردو شعراء میں سب سے برتر ماننا پڑے گا اگرچہ نظیر اکبر آبادی نے شاید میر انیس سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں مگر ان کی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں۔"(۴۸)

مرزا دبیر (ولادت ۱۸۰۳ وفات ۱۸۷۵)

مرزا سلامت علی دبیر کے عہد تک سلام گوئی کا انداز روایتی تھا۔ تھوڑی سی ترقی زبان کی صفائی اور ہمواری کی سطح پر ضروری ہوئی تھی۔ مگر یہ ترقی شاعرانہ جدت پسندی سے خالی تھی انیس اور مونس کے یہاں آکر سلاموں کے قدیم رثائی طرز میں انقلابی تبدیلی رونما ہوئی۔ لیکن دبیر کے سلام میں مضامین کے علاوہ رنگین مضامین کے اشعار کم ملتے ہیں زماں آزردہ نے ان کی سلام گوئی کے طرز اور جہان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ان کی طبیعت پر چونکہ مرثیت غالب تھی جس کی وجہ سے ان کا کلام بہت مبکی ہوتا تھا۔"(۴۹)

دبیر کے رثائی سلام مضامین اور طرزِ بیان کے اعتبار سے سے اپنی صنف کے شاہکار ہیں۔

سلامی کہتے تھے ظالم رلاؤ زینب کو
کہ ذبح شہ کو کرو اور دکھاؤ زینب کو
اٹھا ہے رات کو تابوت اس کی اماں کا
جہاں میں دن کو کُھلے سر پھراؤ زینب کو(۵۰)

محمد واجد علی شاہ اختر (ولادت ۰۹ جولائی ۱۸۲۳ وفات ۲۱ ستمبر ۱۸۸۷)

واجد علی شاہ کے سلاموں کا ایک مکمل دیوان "ایمان" کے نام سے ہے۔ اس دیوان کے بارے میں کوکب قدر نے لکھا ہے:

"ہاشم ہریانپوری کے دیوان حسینی کے بعد سے اردو شاعری میں علاوہ ایمان کے اور کوئی دیوان نوحہ وسلام سے شاید مرتب نہیں ہوا۔"(۵۱)

کوکب قدر نے اس دیوان کو واجد علی شاہ کی جدت طرازی کی یادگار سے تعبیر کیا ہے لیکن ساتھ ہی ان کے سلاموں کی ادبی اور معنوی حیثیت پر سوالات بھی کھڑے کیے ہیں واجد علی شاہ کی غزلیں ان کی مثنویوں سے کم رتبہ اور سلام ان سے بھی گئے گزرے ہیں غزل اور بالخصوص سلاموں میں ذراسی لغزش بھی نہایت مکروہ نظر آتی ہے تو واجد علی شاہ نے پھر بھی احتیاط برتی۔ لیکن انفرادیت پیدا کرنے کی دھن میں واجد علی شاہ نے اس کا مطلق خیال نہیں کیا کہ مرثیے اور سلام کی زمین مقدس اور محدود ہے۔

واجد علی شاہ کے ایک سلام کے کچھ شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں لیکن ان کے نقل کردہ اشعار ان کی اس رائے کے خلاف جاتے ہیں جس میں انہوں نے واجد علی شاہ کے سلاموں کو گیا گزرا قرار دیا ہے۔

دشت و کوہ و نور و نار و شمس و ماہ و خاص و عام
خشک و تر، سرخ و سفید، ان سب کا مالک ہے امام
معدن جود و سخا، بحر شجاعت پیشوا
مخزن لطف و کرم درّ امامت نیک نام
اے درِ دریائے رفعت، ہادی دین مبیں
مطلع دیوان احمد، تم پہ مادح کا سلام
معنی آل عبا، محبوب یزداں پارسا
بیت و مضمونِ عطا، جان رسول نیک نام
سبط احمد، روح زہرا، پارہ و جان علی
اے حسن کے بھائی نور دیدہ خیر الانام
شاہ شاہان جہاں، سلطان دیں جبل المتیں
ماہتاب چرخ رفعت، آفتاب لعل فام
یاد کیجئے گا ضرور اختر کو اے ماہ بتول
آیئے گا ساتھ مہدی کے جو بہرِ انتقام(۵۲)

سلام کے مذکورہ بالا اشعار کے سلسلے میں کوکب قدر کی وضاحت ملاحظہ ہو:

"سلام کے مندرجہ بالا اقتباس میں جذبات کے ساتھ ان کی فنکارانہ تہذیب کو بھی دخل ہے لیکن ان کے کلام کا بیشتر حصہ اس تکلیف سے بے نیاز ہے غزلوں کی طرح قافیہ پیمائی کی کوشش نوحہ و سلام میں بھی ہے لیکن یہاں وہ اپنے خیالات کو آراستہ کرنے کی فکر نہیں کرتے ان کی شاعری میں مصوری کی کوشش بھی نمایاں ہے۔"(۵۳)

(ج)متاخرین کی سلام گوئی

میر اُنس (ولادت ۱۸۰۸ وفات ۱۸۹۲)

میر مہر علی انس انیس کے سب سے چھوٹے بھائی تھے مرثیہ خوانی کی مشق اور شاعری پر اصلاح میر خلیق سے لیتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد بڑے بھائی انیس سے اصلاح لینے لگے دوسرے مرثیہ گویوں کی طرح بھی انس نے اپنی شاعری کی ابتداء غزل گوئی سے کی۔

اس کے دیدار کی رہتی ہیں طلبگار آنکھیں
آشنا آپ سے کیا ہوں مری بیمار آنکھیں(۵۴)

انس کی غزلوں کو سلاموں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو سلام گوئی کا انداز غزل گوئی کے اور غزل گوئی کا انداز سلام گوئی کے بہت قریب نظر آئے گا آئے گا۔

اے سلامی دل مرا اس پیشوا کے ساتھ ہے
خضر سایہ کی طرح جس رہنما کے ساتھ ہے(۵۵)

میر رئیس (ولادت ۱۸۲۵ وفات ۱۸۹۱)

میر عسکری رئیس انیس کے منجھلے بیٹے تھے دوسرے مرثیہ گویوں کی طرح رئیس نے بھی شاعری کی ابتداء غزل گوئی سے کی غزلوں کے مضمون اور انداز دونوں میں تناسب و توازن ہے غزل کے ایسے اشعار ترقی یافتہ سلاموں میں بہت عمدہ طریقے سے کھپ سکتے ہیں۔

سلام گوئی کا انداز رثا اور بین سے آراستہ ہونے کے ساتھ واردات قلبیہ اور معاملات ذہنیہ کے طریقہ اظہار کا عمدہ نمونہ ہے:

سلامی کیوں نہ دل شاہ کو یہ غم توڑے
تڑپ کے ہاتھوں کے اصغر جو رن میں دم توڑے
ہمارے قلب نے جیسے اٹھائے ہیں صدمے
کسی کا شیشہ دل یوں نہ سنگ غم توڑے
اس کی چشم سے نکلیں گے اشک غم پیہم
یہ ذکر جس کے کلیجے میں خارِ غم توڑے(۵۶)

امیر مینائی (ولادت ۱۸۲۹ وفات ۱۹۰۰)

منشی امیر احمد امیر شاہ میناشاہ (لکھنؤ) سے خاندانی تعلق ہونے کی وجہ سے مینائی لکھتے تھے۔ اچھے شاعر تھے مرثیے اور سلام بھی کہتے تھے اپنے سلام میں عقیدت و احترام کے احساس کو یوں بیان کرتے ہیں:

وہ بزمِ خاص جو دربارِ عام ہو جائے
امید ہے کہ ہمارا سلام ہو جائے
مدینہ جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے[۵۷]

مرزا اوج

اوج کا نام مرزا محمد جعفر تھا۔ مرزا سلامت علی دبیر کے بیٹے تھے اپنے بزرگوں کے عقیدے طریقے ماحول اور طرزِ معاشرت کے زیر اثر اوج نے مرثیہ گوئی کو ہی اپنے فن کے اظہار کا وسیلہ بنایا اور اسی میں نام بھی پیدا کیا ان کے زمانے تک سلام گوئی کی صنف فن کے تمام لوازم سے آراستہ ہو چکی تھی۔ مسالمے کی مجلسوں کا بھی آغاز ہو چکا تھا اس زمانے میں بیشتر مسالمے طرحی ہوا کرتے تھے۔ اوج کے انتقال کے تین سال بعد کے ایک مسالمے کا ذکر سکندر آغا نے اپنی کتاب میں کیا ہے:

"اوج کے تقریباً سبھی سلام رثائی اور روایتی ہیں سلاموں کے ہر شعر پر ماتمی فضا چھائی ہوئی ہے واردات قلبیہ اور معاملات ذہنیہ کے سلاموں میں شمولیت کا ذکر امداد امام اثر نے کاشف الحقائق میں کیا ہے کا شائبہ بھی اوج کے سلاموں میں نہیں پایا جاتا جبکہ ان معاملات کا بیان ان کے دور میں پوری طرح رواج پا چکا تھا لیکن غالباً اوج اپنے والد کے طرز سلام گوئی سے انحراف نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ مرثیہ گوئی میں ان کا مطمح نظر حصول ثواب تھا لہٰذا مرثیت سے علیحدہ مضامین حصول ثواب کی راہ میں بظاہر حائل ہوتے نظر آتے ہیں۔[۵۸]

ایک سلام کے مقطع میں اپنی شاعری کی زبان اور اس کے طرز پر اشارتاً فخر کیا ہے:

اوج کیا خوب کہا پہلے پہل تو نے سلام
کہ ہے تعریف سے بندش کے صفائی باہر[۵۹]

عروج (ولادت ۱۸۶۵ وفات ۱۹۳۰)

عروج کا نام سید خورشید حسن تھا۔ دولہا صاحب خورشید کے نام سے مشہور ہوئے خورشید علی نفیس کے بیٹے اور میر انیس کے پوتے تھے۔ بڑی منتوں اور مرادوں کے بعد پیدا ہوئے تھے بچپن میں بہت خوش پوش تھے اس لیے پیار سے گھر کی

عورتیں "دولہادولہا" کہنے لگیں اور یہی نام مشہور ہو گیا۔ والد کی زندگی میں شعروشاعری سے لگاؤ نہیں تھا والد کے انتقال کے بعد ایک مرثیہ کہا۔ انیس کی طرح دولہاصاحب کی شخصیت بھی غیر معمولی اور دلچسپ تھی لیکن علمی خانوادے کے فرد ہونے کے باوجود تعلیم و تربیت سے کسی قدر دور تھے لیکن بعد میں مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں کمال حاصل کر لیا لیکن اس کا اختتام بھی انہیں کے ساتھ ہو گیا بقول نیر مسعود:

"وہ عظیم روایت جو انیس کے عہد میں معراجِ کمال پر پہنچی تھی دولہاصاحب کے ساتھ ختم ہو گئی۔"(۶۰)

کی نظر اعدا نے حال پائے عابد پر نہ آہ
خار صحرا کے اشاروں سے بناتے ہیں رہے
دیکھ پایا تھا جو راہ شام میں زینب کا حال
آج تک سر پر بگولے خاک اڑاتے ہی رہے
نزع کی زحمت تھی لیکن دیکھ کر روئے علی
تن سے دم نکلا کیا ہم مسکراتے ہی رہے
پڑ گیا تیر سہ پہلو چھد گیا سوکھا گلا
خشک ہونٹوں پر زباں اصغر پھراتے ہی رہے
باغباں کی طرح ہم بھی طبع موزوں ہیں عروج
باغ مضموں میں نہال نو بٹھاتے ہی رہے (۶۱)

عروج کا یہ سلام شاعری کا عمدہ نمونہ ہے جس میں اپنے واردات اور عہد پیری و شباب کے ذکر کے ساتھ واقعات کربلا اور واقعاتِ راہ کوفہ و شام اور اسیری اہل حرم کی داستان نہایت پُر درد شعری پیرایہ میں بیان کی گئی ہے۔

حسرت موہانی (ولادت ۱۸۷۵ وفات ۱۹۵۱)

سید فضل الحسن حسرت ہندوستان کی جنگ آزادی کے مجاہد اور غزل کے کامیاب شاعر تھے قصیدہ مسدس اور سلام بھی کہتے تھے۔ قصبہ موہان ضلع اناؤ میں ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید اظہر حسین تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ سے بی اے کیا۔ عربی کی تعلیم مولانا سید ظہور الاسلام فتحپوری سے اور فارسی کی تعلیم مولانا نیاز فتح پوری کے والد محمد امیر خان سے حاصل کی تھی۔ حسرت سودیشی تحریک کے زبردست حامیوں میں سے تھے اور انہوں نے آخری وقت تک کوئی ولایتی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ شروع ہی سے شاعری کا ذوق تھا۔ اپنا کلام تسنیم لکھنوی کو دکھانے لگے۔ ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ سے ایک رسالہ "اردوئے معلی" جاری کیا۔ اسی دوران شعرائے متقدمین کے دیوانوں کا انتخاب کرنا شروع کیا۔ سودیشی تحریکوں میں بھی حصہ لیتے رہے چنانچہ علامہ شبلی نے ایک مرتبہ کہا تھا۔ "تم آدمی ہو یا جن،

پہلے شاعر تھے پھر سیاست دان بنے اور اب بنئے ہوگئے ہو۔" حسرت پہلے کانگرسی تھے۔ گورنمنٹ کانگریس کے خلاف تھی۔ چنانچہ ۱۹۰۷ میں ایک مضمون شائع کرنے پر جیل بھیج دیے گئے۔ ان کے بعد ۱۹۴۷ء تک کئی بار قید اور رہا ہوئے۔ اس دوران ان کی مالی حالت تباہ ہوگئی تھی۔ رسالہ بھی بند ہو چکا تھا۔ مگر ان تمام مصائب کو انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور مشق سخن کو بھی جاری رکھا۔ آپ کو 'رئیس المتغزلین' بھی کہا جاتا ہے۔[۶۲]سلام گوئی میں روایت کی پاسداری ملتی ہے:

امام برحق اہل رضا سلام علیک
شہید معرکہ کربلا سلام علیک
ثبوت یہ ہے کہ نور شہادت کبریٰ
تیری جبیں سے نمایاں ہوا سلام علیک
عبث ہے اور کہیں راہ صبر و حق کی تلاش
تیری مثال ہے جب رہنما سلام علیک
تیرے طفیل میں حسرت بھی ہو شہید وفا
یہی دوا ہے یہی مدعا سلام علیک[۶۳]

امام احمد رضا خان بریلوی (ولادت ۱۸۵۶ وفات ۱۹۲۱)

امام احمد رضا خان بیسویں صدی عیسوی کے مجدد، نامور حنفی فقیہ، محدث، اصولی، نعت گو شاعر، علوم نقلیہ و عقلیہ کے ماہر، سلسلہ قادریہ کے شیخ، عربی، فارسی اور اردو کی کثیر کتابوں کے مصنف جن میں مشہور ترجمہ قرآن کنزالایمان، فتاوی کا مجموعہ فتاویٰ رضویہ اور نعتیہ دیوان حدائق بخشش مشہور ہیں۔ احمد رضا خان نے شدت سے تقلید اور حنفیت کا دفاع کیا سلسلۂ حدیث میں شاہ ولی اللہ اور عبد الحق محدث دہلوی سے استفادہ کیا اور فقہ میں سند اجازت شیخ عبد الرحمن حنفی مکی سے حاصل کی، جن کا سلسلہ عبد اللہ بن مسعود تک پہنچتا ہے۔ احمد رضا خان نے دو قومی نظریہ کا پرچار کیا اور کسی بھی سطح پر ہندو مسلم اتحاد کو رد کیا، تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت میں مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ ان تحریکوں میں مسلم ہندو اتحاد کا نعرہ لگایا جا رہا ہے جو شرع حیثیت سے ناجائز ہے۔ عورتوں کی ضروری دینی تعلیم کی سختی سے تلقین کی، عورتوں کے زیارت قبور کے لیے گھر سے نکلنے کے مسئلے پر ممانعت کا فتوی دیا۔[۶۳]

آپ کی شاعری کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اردو زبان پر کیسی کامل دسترس حاصل تھی کہ ایک لفظ کو کئی کئی معنوں میں بخوبی استعمال کرنا جانتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا فن شاعری میں ایسا کمال کہیں دوسری جگہ نہیں ملتا۔ ان کے کلام میں زبان کی لطافت و پاکیزگی، طرزِ ادا کی رنگینی و ندرت نظر آتی ہے۔ تشبیہ و استعارات کا برملا استعمال کرتے ہیں۔ صنعت لفظی و معنوی کا خوبصورت اور فنکارانہ استعمال ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ نعتیہ سلام میں ان کی

انفرادیت اور اولیت سلام نگاری میں جزو خاص کی حیثیت رکھتی ہے۔ حدائق بخشش اردو نعتیہ شاعری کا ایک اہم سنگ میل ثابت ہوئی جس نے اپنے بعد آنے والے تمام نعت گویوں کو ایک ادب کا جامہ پہنا دیا، ورنہ اس سے پہلے اردو نعت میں عقیدت تو نظر آتی تھی، مگر حدائق بخشش کے بعد اردو نعت سلام نگاری کا ایک مستقل حصہ بنا۔ اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت کے بے مثال عشق کا اظہار آپ کے اس منظوم سلام سے بھی ہوتا ہے جس کے بارے میں علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ اعلیٰ حضرت اگر اور کوئی کام نہ بھی کرتے تو یہ سلام ہی آپ کی عظمت کے لیے کافی تھا۔

یہ وہ سلام ہے جس کی گونج پاک و ہند کے گوشے گوشے میں سنائی دیتی ہے بلکہ یہاں سے نکل کر پوری دنیا میں یہ سلام پڑھا جا رہا ہے۔ مساجد میں نمازِ جمعہ کے بعد اور محافلِ میلاد کے اختتام پر اس کو بطورِ خاص پڑھا جاتا ہے، اردو جاننے والوں میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے اس سلام کا کوئی شعر یاد نہ ہو۔ اس سلام کے والہانہ پن کی خصوصیت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے پیارے آقا و مولیٰ صَلَّی اللہ تَعَالیٰ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم کے ہر ہر عضوِ پاک پر الگ الگ سلام پیش کیا ہے جس سے آپ کے عشقِ رسول صَلَّی اللہ تَعَالیٰ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم کا اور فناء فی الرسول صَلَّی اللہ تَعَالیٰ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم ہونے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

یہ سلام جہاں عشقِ رسول صَلَّی اللہ تَعَالیٰ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم کا شاہکار ہے، وہیں اعلیٰ حضرت کے فنی تبحر کی گواہی بھی دے رہا ہے۔ آپ کا یہ سلام ایک سو بہتر اشعار پر مشتمل ہے۔ جس کی مثلِ بے نظیر کہیں اور نہیں ملتی ان کا یہ سلام پیشِ خدمت ہے:

مصطفیٰ جانِ رحمت پے لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شہریارِ حرم تاجدارِ حرم
نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود
فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام

نور افشاں ہوا جب وہ بطحا کا چاند
دیکھنے آئے سب ، روئے زیبا کا چاند

آسماں پر پڑا ماند دُنیا کا چاند
جس سُہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
جس گھڑی یاد بابِ حرم آ گیا
سوزِ فرقت سے آنکھوں میں نم آ گیا
موج میں جب وہ عیسیٰ حشم آ گیا
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
رنجِ تنہائی تنہا سے پوچھے کوئی
دردِ شبیر، زہرا سے پوچھے کوئی
تہہ میں کیا ہے یہ دریا سے پوچھے کوئی
کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد دورد
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام[۶۵]

حوالہ جات

۱۔ نظیر الحسن فوق: ''المیزان''، فیض عام، علی گڑھ، ۱۹۷۹، ص ۸۵

۲۔ علی جواد زیدی: ''انیس کے سلام'' انجمن ترقی اردو، علی گڑھ، ۱۹۷۱ء، ص ۴۸

۳۔ شارب ردولوی: ''، مرثیہ اور مرثیہ نگار'' سمیع پبلی کیشنز پرائیوٹ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۰۶، ص ۱۴

۴۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی: ''سلک سلام دبیر'' اظہار سنز اردو بازار، لاہور ۲۰۰۴، ص ۵۸

۵۔ شارب ردولوی: مطالعہ ولی (تنقید وانتخاب)، نصرت پبلشرز، لکھنو ۱۹۷۲

۶۔ علی جواد زیدی: ''انیس کے سلام'' انجمن ترقی اردو علی گڑھ، ۱۹۷۱ء، ص ۱۶

۷۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی: "سلک سلام دبیر" اظہار سنز اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴، ص ۵۹

۸۔ علی جواد زیدی: "انیس کے سلام" ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۱، ص ۳۷۸

۹۔ ڈاکٹر فضل امام: "انیس شخصیت اور فن" موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۴، ص ۳۷۸

۱۰۔ محمد قلی قطب شاہ: "کلیات قطب شاہ" (مرتبہ) ڈاکٹر سیدہ جعفر ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵، ص ۲۴

۱۱۔ ڈاکٹر اسد اریب: "تہذیب غم" کتاب نگر حسن آر کیڈ، ملتان ۲۰۰۶ ص ۱۶

۱۲۔ ڈاکٹر فضل امام: "انیس شخصیت اور فن" موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۴، ص ۲۹۱

۱۳۔ ڈاکٹر صفدر حسین: "رزم نگاران کربلا" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲، ص ۱۷۲

۱۴۔ ملا وجہی: "قطب مشتری" (مرتبہ) ڈاکٹر حمیرا جلیلی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۹۲، ص ۳۵

۱۵۔ ملا وجہی: سلام، مشمولہ "ماہنامہ العلم" العلم پبلی کیشنز ممبئ، ۱۹۹۳، شمارہ ۴، ص ۲۰۷

۱۶۔ نعیم: ''یورپ میں دکھنی مخطوطات'' (مرتبہ) نصیر الدین ہاشمی، شمس المطابع عثمان گنج حیدر آباد دکن، ۱۹۳۲، ص ۶۸۰

۱۷۔ ایضاً، ص ۶۸۱

۱۸۔ ڈاکٹر رشید موسوی: ''دکن میں مرثیہ اور عزاداری'' ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۹، ص ۵۹

۱۹۔ ایضاً، ص ۶۵

۲۰۔ ولی دکنی: ''ولی دکنی تصوف، انسانیت اور محبت کا شاعر'' (مرتبہ) گوپی چند نارنگ، ساہتیہ اکادمی نئی دہلی، ۲۰۰۵، ص ۱۱

۲۱۔ ولی محمد: ''کلیات ولی'' (مرتبہ) نورالحسن ہاشمی، انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۴۵، ص ۴۰۸

۲۲۔ درگاہ قلی خان: ''مرقع دہلی'' (مترجم) ڈاکٹر نورالحسن انصاری شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی، ۱۹۸۶، ص ۱۵۲

۲۳۔ ایضا، ص ۱۵۳

۲۴۔ یکرو: سلام، مشمولہ "ماہنامہ العلم" (مرتبہ) علی جواد زیدی، العلم پبلی کیشنز ممبئ ۱۹۹۳، شمارہ ۴، ص ۲۹۹

۲۵۔ یکرو: "دیوان یکرو" (مرتبہ) ڈاکٹر شمیم احمد، ادارہ اردو پکی سرائے روڈ مظفر پور، ۱۹۷۸، ص ۱۰۲

۲۶۔ میر ضاحک: "کلیات میر ضاحک" انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، ۱۹۸۲ ص ۳۲

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۲۳۰

۲۸۔ رفیع الدین سودا: "کلیات سودا" مکتبہ شعر و سخن، لاہور، ۱۹۸۲ ص ۱۳۶

۲۹۔ ایضاً، ص۱۳۷

۳۰۔ آفتاب:(مضمون)"آفتاب کی سلام نگاری"مشمولہ "ماہنامہ العلم "العلم پبلی کیشنز، ممبئی، ۱۹۹۳، شمارہ ۰۳ ص ۱۴۷

۳۱۔ میر تقی میر:"کلیات میر "اردو دنیا، لاہور، ۱۹۵۸، ص ۱۳۳۲

۳۲۔ سید مسعود حسن رضوی:"اسلاف میر انیس "کتاب نگر دین دیال روڈ، لکھنؤ، ص ۶۱، ۱۹۷۰

۳۳۔ مظفر عباس:(مضمون)"اردو میں سلام گوئی کی روایت"مشمولہ "ماہنامہ ماہ نو"۱۹۷۹، ص ۲۴

۳۴۔ مرزا غالب:"شرح دیوان غالب "(مرتبہ وشارح سید حیدر نظم طباطبائی) گنج شکر پریس، لاہور، ۲۰۱۴، ص ۵۴

۳۵۔ ایضاً، ص ۲۷۸

۳۶۔ مرزا داغ خاں دہلوی: سلام، مشمولہ "حسین پر سلام"(مرتبہ)سید محمد رضوی، ۱۹۸۴، ص ۳۰

۳۷۔ چھنولال دلگیر:(مضمون)"حالاتِ زندگی"مشمولہ "اردو مرثیے کا ارتقا"(مرتبہ) مسیح الزمان، کتاب نگر دین دیال روڈ، لکھنؤ، ص ۲۷۵، ص ۱۹۶۸

۳۸۔ میاں دلگیر:"منظومات میاں دلگیر"(مرتبہ)ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، سرفراز قومی پریس، لکھنؤ، ۱۹۷۰ ص ۷۵

۳۹۔ غلام ہمدانی مصحفی:"کلیات مصحفی"کوہ نور پرنٹنگ پریس، دلی، ص ۳۷

۴۰۔ ایضاً، ص ۱۵۰

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۶۲

۴۲۔ ڈاکٹر صفدر حسین:"رزم نگاران کربلا"اظہار سنز اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۵، ص ۶۰

۴۳۔ فصیح:(مضمون)مشمولہ "فکر بلیغ شاد عظیم آبادی"(مرتبہ) نقی احمد ارشاد، نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ، لکھنؤ ص ۹۸، ۱۹۷۴

۴۴۔ فصیح: سلام، مشمولہ "حسین پر سلام"(مرتبہ)سید علی رضوی، کراچی، ۱۹۸۴، ص ۱۰۷

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۰۸

۴۶۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری:"میر انیس حیات اور شاعری"اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۸، ص ۴۲

۴۷۔ ایضاً، ص ۴۸

۴۸۔ خواجہ الطاف حسین حالی:"مقدمہ شعر وشاعری"اترپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۲، ص ۱۸۲

۴۹۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی:"سلک سلام دبیر"اظہار سنز اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴، ص ۱۴۷

۵۰۔ ایضاً، ص ۱۵۹

۵۱۔ کوکب قدر:"واجد علی شاہ کی ادبی خدمات"ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۹۵، ص ۵۲۲

۵۲۔ واجد علی شاہ اختر: سلام، مشمولہ "حسین پر سلام"(مرتبہ)سید علی رضوی، ۱۹۸۴، ص ۱۰۵

۵۳۔ روش علی:"عاشور نامہ"(مرتبہ)مسعود حسین خاں، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۷۲، ص ۲۵

۵۴۔ صفدر عباس مرزا:(مضمون)"میر مہر علی انس کا شاہکار مرثیہ "مشمولہ "فروغِ مرثیہ"کینیڈا، نومبر ۲۰۲۰ شمارہ ۲، ص ۰۸

۵۵۔ ایضاً، ص ۰۹

۵۶۔ میر رئیس: سلام، مشمولہ "حسین پر سلام"(مرتبہ)سید محمد علی رضوی، ۱۹۸۴، ص ۹۸

۵۷۔ امیر مینائی:"کلام امیر مینائی"(مرتبہ) نظمی صدیقی، مشورہ بک ڈپو رام نگر، دہلی، ۱۹۸۴، ص ۹۸

۵۸۔ ڈاکٹر سکندر آغا:"مرزا محمد جعفر اوج حیات اور ادبی کارنامے"نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۸۵، ص ۵۶

۵۹۔ ایضاً، ص ۶۱

۶۰۔ نیر مسعود رضوی: "دولہا صاحب عروج" اردو پبلشرز نظیر آباد لکھنؤ، ۱۹۸۰، ص ۳۹

۶۱۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۶۲۔ حسرت موہانی: "کلیات حسرت موہانی" کاک آفسیٹ پرنٹرس، دہلی، ۲۰۰۳، ص ۴۰

۶۳۔ ایضاً، ص ۴۱۰

۶۴۔ ملک شیر محمد خان اعوان: "مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی ترتیب شاعری" مرکزی مجلس رضا، لاہور ۱۹۷۱، ص ۱۵

۶۵۔ امام احمد رضا خان بریلوی: "شرح حدائق بخشش" (مترجم) قاری مولانا غلام حسن قادری، مشتاق بک کارنر اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۶، ص ۴۰

باب سوم

پاکستان میں سلام نگاری (۱۹۴۷ سے ۲۰۰۰ تک)

باب سوم

پاکستان میں سلام نگاری (۱۹۴۷ سے ۲۰۰۰ تک)

گذشتہ ابواب میں ہم نے اردو سلام نگاری کے خدوخال متعین کیے ہیں اور قیام پاکستان سے قبل اردو سلام نگاری کا عہد بہ عہد جائزہ لینے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ اس ارتقاء میں ہم نے خصوصیت کے ساتھ اردو سلام کے بدلتے ہوئے رجحانات و میلانات کا جائزہ لینے کی بھی کاوش کی ہے۔ مجموعی طور پر ہم نے اردو سلام کے اس ارتقائی جائزہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ صنف سخن مختلف اسباب کی بناپر ہر عہد کی مقبول عوام و خاص صنف رہی ہے اور آج بھی اس صنف کی پذیرائی ہو رہی ہے۔ زیر مطالعہ باب میں ہم تقسیمِ برصغیر کے بعد پاکستان کے خصوصی حوالے سے اردو سلام نگاری کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

بیسویں صدی کا سورج نئے نظریات و میلانات لے کر طلوع ہوا اور خصوصاً مغربی اصناف کے حوالے سے اردو اصناف میں جدید افکار و نظریات کی ضرورت کا احساس پیدا ہونے لگا۔ مغربی تہذیب نے اپنی رنگارنگی کی وجہ سے اہلِ مشرق کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ سوچ اور فکر کے مروجہ معیارات تبدیل ہونے لگے پرانے پیمانے بوسیدہ قرار دیے گئے اور اب نئے شعری پیمانوں میں جدید شراب کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ سلام نگاروں نے جہاں امامِ عالی مقامؑ کی سیرت و کردار کو مشعل راہ بنایا وہیں پر اس صنف میں بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار سلاموں کے ذریعے کیا۔ اس طرزِ عمل کا فائدہ یہ ہوا کہ اردو سلام کا رشتہ مذہبی شاعری سے جڑ گیا۔

ترقی پسند تحریک کے آغاز کے بعد عوام الناس میں ایک انقلابی رجحان پیدا کرنے کے لیے واقعہ کربلا اور آنحضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت کو ایک علامت کے طور پر پیش کیا جانے لگا۔ اس صورتحال میں سلام نگاروں نے اپنے سلاموں کا رخ عقیدت و احترام کے ساتھ مرکوز کیا اور اپنے سلاموں کے ذریعے امت مسلمہ کو بیدار کرنے کی خاطر خواہ کوشش کی۔ بعض ناقدین نے اس منظر نامے کے حوالے سے سطحی بنیاد پر یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ اس عہد میں سلام کو زوال آگیا تھا حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ اگر آپ گہری نظر سے مطالعہ فرمائیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس عہد کے معروف سلام نگاروں کے سلاموں میں جدید اور ترقی پسند افکار و نظریات کی گونج سنائی دے رہی ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ میں برصغیر تقسیم ہو کر ہندوستان اور پاکستان ہو گیا ہندوستان کے لاکھوں مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں ترک وطن کر کے پاکستان پہنچے اور مختلف علاقوں میں قیام پذیر ہوئے چونکہ حیدرآباد دکن، دہلی اور لکھنؤ کے متعدد ادیب شاعر اور نقاد کراچی میں بس گئے اس لیے کراچی شعر و ادب کا ایک بہت بڑا مرکز بن گیا اسی طرح مشرقی پنجاب

کی کثیر آبادی لاہور، ملتان، سرگودھا، اور پنڈی میں قیام پذیر ہوئی اور پنجاب کے ان شہروں کو ادبی نقطہ ء نظر سے مرکزیت حاصل ہوگئی۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد فسادات کا بازار گرم ہوا انسانوں نے مذہب کی بنیاد پر انسانیت کے خون کی ہولی کھیلی۔ قتل و غارت ہوا۔ مسلمانوں کے گھروں کو نذر آتش کیا گیا اور ان کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ عورتوں سے بدسلوکی روا رکھی گئی۔ ان واقعات نے جہاں سماج اور معاشرے پر گہرے اثرات چھوڑے وہاں ادب پر بھی اپنے اثرات مرتب کیے۔ شاعر چونکہ معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے وہ معاشرے میں ہونے والی تبدیلیوں سے سے گہرا اثر قبول کرتا ہے چنانچہ شعراء نے خاص طور پر سلام نگار شعراء نے تقسیم ملک کے نتیجے میں پیش آنے والے واقعات سے گہرا اثر قبول کیا انہوں نے اپنے قلبی واردات اور داخلی کیفیات کو سیرت رسول ﷺ اور کربلا کے استعارے سے بیان کیا۔

قیام پاکستان کے بعد جس جذبے نے شدت کے ساتھ سر اٹھایا وہ اسلامی تمدن کے مطابق زندگی گزارنا تھا پاکستان کے ہر علاقے کے لوگ یہ جان چکے تھے کہ قیام پاکستان کا مطلب اسلامی علوم و فنون کی بقا اور دین خدا کی ترویج و اشاعت ہے۔ قیام پاکستان کا مقصد مسلمانوں کے لیے ایک ایسا خطہ تیار کرنا تھا، جہاں وہ اپنے عقائد کے مطابق احکام الٰہی پر عمل پیرا ہو کر زندگیاں گزار سکیں۔ ہندو تہذیب نے نہ صرف مسلمانوں کے عقیدے پر حملہ کیا تھا بلکہ مسلمانوں کے عقیدے پر بھی مسلسل اعتراضات ہو رہے تھے۔ آریہ سماج تحریک کی وجہ سے تصور وحدانیت پر زبردست اعتراضات کیے جا رہے تھے اور حد یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ شدھی اور سنگھٹن کی تحاریک قائم کر کے مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنایا جا رہا تھا۔ پاکستان کا قیام ان مختلف تحاریک کے رد عمل سے عالم وجود میں آیا۔

اب جو پاکستان میں کھلی آزادی کی فضا ہے تو سب سے پہلے جس چیز کا تقاضا کیا گیا اس کا تعلق دین اسلام کی بقا سے تھا۔ اسلامی طرزِ معاشرت، اسلامی بود و باش، اسلامی طرزِ حیات، اسلامی نقش و نگار اور اسلامی رہن سہن کے مطالبے چاروں طرف سے پیش کیے جانے لگے۔ اس مطالبے کے اثر کے بعد فکری آزادی کا ایک کھلا میدان زمین پاکستان نے دیا۔ اس طرح لوگوں کے دلوں میں سے وہ گھٹن دور ہو گئی جو ہندو ثقافت نے پھیلا دی تھی، اسی لیے اس دور کی شاعری میں یہ دونوں پہلو بدرجہ اتم موجود ہیں جس میں عقیدت سے بھرپور مذہبی شاعری کا رنگ نظر آتا ہے وہیں پر سلام نگاری نے برصغیر میں تہذیبِ نو کی بنیاد رکھی۔ جب ہم اس دور کے سلاموں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستانی ثقافت کے نمایاں اثرات ہماری شاعری میں در آئے ہیں۔ اب ہم قیام پاکستان کے بعد کے مختلف شعراءء کے سلاموں کو درج کرتے ہیں جو آنحضور اور سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شانِ فضیلت میں خراجِ عقیدت کے طور پر لکھے گئے۔

(الف) سلام بحضور سرور کونین ﷺ

ماہر القادری (۱۹۰۷۔۱۹۷۸)

ماہر القادری ۳۰ جولائی، ۱۹۰۷ء کو کیسر کلاں ضلع بلند شہر، برطانوی ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام منظور حسین تھا۔ انہوں نے عملی زندگی کا آغاز حیدر آباد دکن سے کیا، پھر بجنور چلے گئے۔ جہاں مدینہ بجنور اور غنچہ کے مدیر رہے۔ زندگی کا بڑا حصہ حیدرآباد دکن، دہلی، بمبئی میں گزرا اور پھر مستقل قیام کراچی میں رہا۔ چند ماہ ملتان میں بھی گزارے۔ اس کے علاوہ سیر و سیاحت کا بارہا اتفاق ہوا۔ ۱۹۲۸ء میں ریاست حیدرآباد کے مختلف محکموں میں کام کرنے کا موقع ملا۔ قیام حیدرآباد کے دوران میں جب نواب بہادر یار جنگ کی تقاریر کا طوطی بولتا تھا، نواب بہادر یار جنگ نے قائد اعظم محمد علی جناح سے ان کا تعارف یوں کرایا میری تقریروں اور ان (ماہر القادری) کی نظموں نے مسلمانانِ دکن میں بیداری پیدا کی ہے۔

۱۹۴۳ میں حیدرآباد سے بمبئی منتقل ہو گئے۔ وہاں فلمی دنیا میں کچھ عرصہ گزارا۔ کئی فلموں کے گیت لکھے جو بڑے مقبول ہوئے۔ اپنے فلمی تعلق پر وہ کبھی نازاں نہ رہے۔ اس پر ان کا تبصرہ ان کے الفاظ میں سنیے چند دن فلمی دنیا سے بھی تعلق رہا۔ فلمی دنیا میں میرے لیے شہرت اور جلب منفعت کے بعض زرّیں مواقع حاصل تھے، مگر اللہ کا بڑا فضل ہوا کہ میں اس دلدل سے بہت جلد نکل آیا۔ اس چند روزہ فلمی تعلق پر آج تک متاسّف ہوں۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے کراچی میں مستقل سکونت اختیار کی اور علمی جریدے "فاران" کا اجرا کیا جو ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد تک جاری رہا۔ ماہر القادری ۱۲ مئی، ۱۹۷۸ء کو جدہ کے ایک مشاعرہ کے دوران انتقال کر گئے اور مکہ مکرمہ میں جنت المعلیٰ کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے۔ (۱)

ماہر القادری کا نمونہ سلام دیکھیے:

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سکھلائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ دشمن کو حیات جاوداں دے دی
سلام اس پر، ابو سفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں

سلام اس پر، ہوا مجروح جو بازار طائف میں
سلام اس پر، وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اس پر جو سچائی کی خاطر دکھ اٹھاتا تھا
سلام اس پر، جو بھوکا رہ کے اوروں کو کھلاتا تھا
سلام اس پر، جو امت کے لئے راتوں کو روتا تھا
سلام اس پر، جو فرش خاک پر جاڑے میں سوتا تھا
سلام اس پر جو دنیا کے لئے رحمت ہی رحمت ہے
سلام اس پر کہ جس کی ذات فخر آدمیت ہے
سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی
سلام اس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی
سلام اس پر کہ جس کی سنگ پاروں نے گواہی دی
سلام اس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا
سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی
الٹ دیتے ہیں تخت قیصریت، اوج دارائی
سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا، سرفروشی کے فسانے میں
سلام اس ذات پر، جس کے پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالد و حیدر کے افسانے
درود اس پر کہ جس کی بزم میں قسمت نہیں سوتی
درود اس پر کہ جس کے ذکر سے سیری نہیں ہوتی
درود اس پر کہ جس کے تذکرے ہیں پاک بازوں میں

درود اس پر کہ جس کا نام لیتے ہیں نمازوں میں
درود اس پر، جسے شمع شبستان ازل کہیے
درود اس ذات پر، فخر بنی آدم جسے کہیے[۲]

اطہر نفیس:(۱۹۳۳ء۔۱۹۸۰ء)

اصل نام کنور اطہر علی خان تھا۔ اطہر نفیس ۲۲ فروری ۱۹۳۳ء کو جگنیر، ضلع آگرہ، برطانوی ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام کنور اطہر علی خاں تھا۔

ان کے ایک بھائی کنور قمر علی خاں پولیس آفیسر تھے۔ اطہر اپنی والدہ کو آپا کہتے تھے، ان کا تعلق سورج بنسی راجپوت خاندان سے تھا، انہوں نے ابتداءئی تعلیم مسلم یونیورسٹی اسکول علی گڑھ سے حاصل کی۔ ۱۹۴۹ء میں اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ پاکستان منتقل ہوگئے اور کراچی میں سکونت اختیار کی۔ ۱۹۵۳ء میں روزنامہ جنگ سے وابستہ ہوگئے۔[۳] انھوں نے کالم بھی لکھے اور مختلف عہدوں پر کام کیا، وہ اس کے شعبہ ادب سے بھی وابستہ رہے انھوں نے شادی نہیں کی، تمام عمر تنہا رہے۔ اطہر نفیس نے غزل گوئی کو اپنے اظہار سخن کا ذریعہ بنایا اور اسے ایک اعتبار عطا کیا۔ وہ میر کے مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے غزل کو ایک دھیما اور نرم لہجہ عطا کیا جو ان کی پہچان بن گی۔ اردو غزل میں شیریں بیانی اور جدید طرزِ اسلوب ان کا طرہ امتیاز تھا۔ ان کی شاعری زندگی کی سچی کیفیتوں سے عبارت ہے۔ ان کی شاعری میں تضاد نہیں ملتا۔ ان کی شاعری حقیقی زندگی کا آئینہ دار ہے۔ اطہر نفیس کا پہلا شعری مجموعہ کلام کے عنوان سے احمد ندیم قاسمی نے ۱۹۷۵ء کو لاہور سے شائع کیا اور دوسرا مجموعۂ کلام وہ صورت گر کچھ خوابوں کے ابھی تشنۂ طباعت ہے۔ ان کی ایک نعتیہ نظم دیکھیں جس میں بحضور سرور کونین ﷺ سلام پیش کیا گیا:

سلام اُس پر
جو ظلمت میں منارہء روشنی ہوا ہے
جو ایسا سورج ہے جس کی کرنیں
ازل ابد کے تمام گوشوں میں نور بن کے سما چکی ہیں
ہر ایک ذرہ کو وہ تاباں بنا چکی ہیں
سلام اُس پر
جو حرفِ حق ہے
وہ حرف حق جو ساعتوں اور خدائے برتر کے درمیاں
ایک واسطہ ہے
جو خاک مردہ میں جان ڈالے وہ کیمیا ہے

سلام اس پر
جو خیر اعلیٰ ہے، اور سب کو
بلندیوں پر بلا رہا ہے
بلا رہا ہے کہ رفعتوں کا سفیر ہے وہ
بشیر ہے وہ نذیر ہے وہ
سلام اس پر
جو بے نواوں کا آسرا ہے
جو سارے عالم کی ابتداء ہے
جو سب زمانوں کی انتہا ہے
سلام اس پر
جو راہ حق پہ بلا رہا ہے کہ رہنما ہے
جو سب کو حق سے ملا رہا ہے کہ حق نما ہے (۴)

سید محمد وجیہ السیما عرفانی (۱۹۲۰ء۔۱۹۹۱ء)

سید وجیہ السیما عرفانی کی ولادت ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی کے ایک گاؤں "لودھن" کے ایک سیّد گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی کا اسم گرامی سید محمد ہادی تھا۔ بابا عرفانی مادرزاد ولی تھے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے دادا حاجی فضل الدین کو خواب میں خواجہ معین الدین چشتی نے بابا حضور کی ولادت کی خوشخبری دی اور ساتھ نام بھی تجویز فرمایا۔ آپ نے نو عمری ہی میں نو ماہ کی قلیل مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور اس کے بعد درس نظامی کا کورس مکمل کیا۔ اس کے بعد اسکول اور کالج کی تعلیم مکمل کی شروع میں باقاعدہ بیعت نہیں لیا کرتے تھے۔ ۱۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو سیّد تلطف حسین معینی (جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی اولاد سے تھے) شملہ پہاڑی پر تشریف لائے اور بابا حضور کو اپنی موجودگی میں باقاعدہ بیعت کا سلسلہ شروع کروایا۔ آپ صرف چشتیہ سلسلہ میں ہی بیعت لیتے ہیں۔ آپ کو قرآن حکیم کے علاوہ تمام مجموعات احادیث زبانی یاد تھیں اور اس کے علاوہ بابا حضور کو سعدی، مولانا جامی، حافظ شیرازی اور علامہ اقبال کے تمام مجموعات یہاں تک کہ دور جاہلیت کے شعراء مثلاً امراءالقیس کا کلام بھی زبانی یاد تھا۔ سرکار بابا حضورؒ کو عربی، فارسی اور انگریزی پر عبور حاصل تھا۔ یعنی جس طرح روانی سے وہ یہ زبانیں بولتے تھے اُسی روانی سے لکھا بھی کرتے تھے۔

آپ نے دینی علوم کو روزگار کا ذریعہ نہیں بننے دیا بلکہ ایک مترجم، صحافی اور براڈکاسٹر کے طور پر کام کر کے اپنا روزگار کمایا۔ ریڈیو پاکستان، پاکستان ٹیلی ویژن اور اخبارات اس کے گواہ ہیں۔ سیّد محمد وجیہ السیما عرفانی چشتی نے اپنے کیریئر کا آغاز ۱۹۴۳ء میں روزنامہ پربھارت میں بطور ایڈیٹوریل سٹاف کے کیا۔ روزنامہ پربھات میں آپ نے تقریباً ایک سال

ملازمت کی۔ آپ نے روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ زمیندار، روزنامہ آفاق، روزنامہ پاکستان ٹائمز او رروزنامہ انصاف کراچی کے ساتھ ساتھ پاکستان کے تمام بڑے اخبارات کے لیے لکھا۔

سیّد محمد وجیہ السیما عرفانی چشتی کا وصال ۲۲ فروری ۱۹۹۱ء بمطابق ۶ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ بروز جمعۃ المبارک ہوا۔ آپ لاہور کے قریب ایک قصبہ سندر شریف ۳۲ کلو میٹر ملتان روڈ لاہور میں مدفون ہیں۔(۵)

میرے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سید محمد وجیہ السیما عرفانی کا نعتیہ مجموعہ ہے۔

میرے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم "۵۴۴ نعتوں پر مشتمل کتاب ہے جو اپنی خصوصیت اور مضامین کے تنوع کے اعتبار سے ایک قابل قدر مجموعہ ہے۔ ذکر رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلمو سیرت کے بیان، درود کی تلقین اور رسول پاک کی ذات مبارکہ سے محبت سے مزین یہ اشعار سید محمد وجیہ السیما عرفانی کے عشق رسول کا منہ بولتا ثبوت ہیں مجموعہ کی پہلی نعت درود کی تلقین اور ترغیب سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اختتام بھی درود پاک کے حوالے سے ہوتا ہے۔

ان کی نعتوں کی ردیفیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جو قاری کو ایک خاص قسم کی کیفیت میں لے جاتی ہیں۔ ان کی نعتوں کی چند ردیفیں ملاحظہ کیجئے۔ السلام علیک، رسول کریم ہیں، رسول اللہ، رسول پاک کی ذات، صل اللہ علیہ والہ وسلم، ان کو ہر دم سلام۔ زیادہ تر نعتیں غزل کی ہیئت میں لکھی گئی ہیں لیکن کچھ نعتیں نظم کی ہیئت میں بھی لکھی گئی ہی۔ عرفانی صاحب کی نعتیہ نظمیں بھی اپنی تاثیر اور مضامین کے تنوع کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ عرفانی صاحب کی نعت گوئی میں نعت کے وہ تمام مضامین و موضوعات پائے جاتے ہیں۔ جن کا تعلق ذات رسالت مآب، آپسے محبت، آپ کے شہر اور دوسرے متعلقات سے محبت، آپ کی نسبت کے حوالے سے آپ کے اصحاب، اہل بیت عظام سے محبت، مدینے سے دوری کی کیفیات، حاضری کی تمنا اور آپ کی ذات مبارکہ سے شیفتگی کا بیان۔ عرفانی صاحب کی نعت گوئی اردو میں صوفیائے کرام کی نعت گوئی کے حوالے سے ایک منفرد رنگ رکھتی ہے۔ عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا یہ نعتیہ سلام ملاحظہ کیجیے:

رحمتِ دو جہاں، سید مرسلاں، سرورِانس و جاں
روحِ کون و مکاں، ہر طرح ہر زماں، جان و جانِ جاں
راحت و قلب و جاں ان پہ پیہم درود، ان کو ہر دم سلام
وہ نبی الوریٰ، وہ رسول الہدیٰ، سارے ارض و سما
کُلُّ ما میہما، ان کا حرف بقا، ان کا نور ضیا
انکی سب کو دعا، ان پہ پیہم درود، ان کو ہر دم سلام
وہ رسولِ امیں، رحمتِ عالمیں، مرشدِ عقل و دیں
قائدِ مرسلیں، وہ ہیں سدرہ نشیں، سرِ عرش بریں
وہ مطاع و مکیں ان پہ پیہم درود، ان کو ہر دم سلام

وہ ہیں محبوبِ رب، وہ ہیں رحمت لقب، انکے سائے میں سب
کیا عجم کیا عرب، خلق کا وہ سبب، وہ ہیں سب سے احب
باوضو، با ادب، ان پہ پیہم درود، ان کو ہر دم سلام(٦)

اعظم چشتی (وفات ۱۹۹۳ء)

اعظم چشتی قلمی نام پورانام: محمد اعظم پنجابی فارسی اور اردو کے نامور شاعر اور نعت گو صاحب دیوان ہیں۔ محمد اعظم چشتی پاکستان کے معروف نعت خواں اور ایک اچھے شاعر بھی تھے اور ان کے نعتیہ مجموعے شائع ہوئے۔ ۱۴ اگست ۱۹۷۹ کو حکومت پاکستان نے انہیں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی عطا کیا تھا۔ اعظم چشتی روایتی اور کلاسیکل رنگ کے بے مثال نعت خواں تھے۔ ان کی نعت خوانی کا سحر آج تک نہیں ٹوٹا۔ پاکستان کے اولین نعت خوانوں میں سے ہونے کی وجہ سے پاکستان کے ہر خطے کے عاشقانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی آواز سے شناسا ہیں۔ اعظم چشتی جیسا سر اور لے کو سمجھنے والے نعت خوانوں میں سے تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کی تربیت ہی سر اور لے میں ہوئی۔ استاد بڑے غلام علی خاں اور استاد برکت علی خان سے بہت گہرے مراسم تھے اور نہیں سے کسبِ فیض حاصل کیا۔ جب اعظم چشتی گلشن نعت میں نمودار ہوئے تو یہ سرفرازپپا، جان محمد امرتسری، اور بابا محمد علی جیسے بزرگ نعتوں کا آخری دور تھا۔ اور پھر پاکستان میں نعت خوانی کے منظر نامے پر اعظم چشتی ایک لمبے عرصے کے لیے جلوہ افروز رہے۔ اور پاکستان کا گوشہ گوشہ ان کی نعت خوانی سے مستفید ہوا۔ ان کی وفات ۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء لاہور میں ہوئی۔(٧) ان کا ایک سلام دیکھیے گا کہ:

سلام گلشن توحید کی بہار سلام
سلام ملکِ رسالت کے تاجدار سلام
سلام رازِ حقیقت کے پردہ دار
سلام خالق اکبر کے راز دار سلام
سلام شاہد خوبانِ باوقار سلام
سلام سرور محبوب کرد گار سلام
تمہارا ابر کرم کس جگہ نہیں برسا
تمہارے لطف و کرم پر ہزار بار سلام
جس آستانہء اقدس کی خاک ہے اعظم
اس آستانِ معلّٰی پہ بار بار سلام(٨)

محمد علی ظہوری (۱۹۳۲ء۔۱۹۹۹ء)

محمد علی ظہوری ممتاز نعت گو اور بین الاقوامی سطح پر شہرت رکھنے والے نامور ثناخوان رسول حسان پاکستان کہا جاتا ہے اور ظہوری قصوری بھی ان کی پہچان ہے۔ ۱۲ اگست ۱۹۳۲ء کو موضع آرائیاں علاقہ نواب صاحب نزد رائے ونڈ روڈ لاہور میں پیدا ہوئے ان کے والد گرامی حاجی نور محمد نقشبندی بھی ایک درویش صفت انسان تھے۔ انہوں نے بہترین تربیت کے ذریعے محمد علی ظہوری کے اندر عشق نبیؐ کی ایسی چاشنی بھر دی تھی کہ پھر تمام عمر محبت رسولؐ ہی ان کا مقصد حیات رہا۔

الحاج محمد علی ظہوری اس انداز سے نعت پڑھتے کہ سن کر حاضرین اور سامعین کی نبض تھم جاتی اور وہ عشق نبی کی کیفیت میں دور کہیں کھو جاتے۔ انہوں نے نعت خوانی کو ایک تحریک بنا دیا اور لوگوں کے دلوں میں عشق نبی کی شمع کو روشن کرنے کے لیے جس طرح گلی گلی اور نگر نگر جا کر اپنی قائم کی ہوئی تنظیم ''مجلس حسان'' پاکستان کے پلیٹ فارم سے محافل نعت کے انعقاد کی صورت میں جو شبانہ روز کاوشیں کیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ ان کے تخلیق کردہ مشہور زمانہ کلام میں سے کچھ:

الٰہی حمد سے عاجز ہے یہ سارا جہاں تیرا
جہاں والوں سے کیونکر ہو سکے ذکر و بیاں تیرا
جب مسجد نبوی کے مینار نظر آئے
اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے
یا رسول اللہ تیرے در کی فضاؤں کو سلام
گنبد خضریٰ کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں کو سلام
یہ آرزو نہیں کہ دعائیں ہزار دو
پڑھ کے نبیؐ کی نعت لحد میں اتار دو

بعد از وفات ان کے نعتیہ مجموعے ''نوائے ظہوری'' کو حکومت پاکستان کی طرف سے قومی سیرت ایوارڈ بھی دیا گیا''۔ الحاج محمد علی ظہوری تمام عمر عشق رسالت مآب کی سرشاریوں میں زندہ رہے۔ وہ ایک مدت تک سانس کے عارضے میں مبتلا رہنے کے بعد ۱۱ اگست ۱۹۹۹ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کی تدفین موضع آرائیاں میں مرکز توصیف کے سبزہ زار میں ہوئی۔ (۹)

ایسے دور میں جب جسمانی خواہشات کی تسکین و آرام و راحت معاشرتی برتری کا معیار بن گئے ہوں، وہاں سلام گو شعراء نے ایک پاکیزہ راستہ نکالا جس نے روحانی اقدار کو ابھار کر نفس کو پاکیزہ کیا اور ایک ایسا ادب متعارف کروایا جس میں حسن بیان، خوبی ادا اور حسِ لطافت کی چاشنی لطف بھی دیتی ہے اور قربتِ رسول ﷺ کا باعث بھی بنتی ہے انہیں سلاموں میں سے ظہوری صاحب کا یہ سلام دیکھیں جسے اکثر و بیشتر بارہا سنا جاتا ہے اور جب جب سنا اور پڑھا جائے ایک روحانی سفر نامے کی تازگی محسوس ہوتی ہے اور ایک عاشق رسول ﷺ کے محسوسات اور کیفیات مدینے کی گلیوں کا طواف کرتی ہیں

ملاحظہ کیجیے:

یا رسول اللہ تیرے در کی فضاؤں کو سلام
گنبد خضرا کی ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں کو سلام
والہانہ جو طوافِ روضہء اقدس کریں
مست و بیخود وجد میں آتی ہواؤں کو سلام
شہری بطحا کے در و دیوار پہ لاکھوں درود
زیرِ سایہ رہنے والوں کی صداؤں کو سلام
جو مدینے کے گلی کوچوں میں دیتے ہیں صدا
تاقیامت ان فقیروں اور گداؤں کو سلام
مانگتے ہیں جو وہاں شاہ وگدا بے امتیاز
دل کی ہر دھڑکن میں شامل ان دعاؤں کو سلام
اے ظہوری خوش نصیبی لے گئی جن کو حجاز
ان کے اشکوں اور ان کی التجاؤں کو سلام(۱۰)

ان کا دوسرا سلام پیش خدمت ہے:

در پہ رہنے والے خاصوں اور عاموں کو سلام
یا نبی تیرے غلاموں کے غلاموں کو سلام
کعبہء کعبہ کے خوش منظر نظاروں پر درود
مسجد نبوی کی صبحوں اور شاموں کو سلام
جو پڑھے جاتے ہیں روز و شب تیرے دربار میں
پیش کرتا ہوں ظہوری ان سلاموں کو سلام(۱۱)

حافظ لدھیانوی(۱۹۲۰ـ۱۹۹۹)

حافظ لدھیانوی نعت گو، حمد گو اور بڑے ادیب تھے۔ قلمی نام حافظ لدھیانوی تھا جبکہ اصل نام حافظ سراج الحق ہے ان کے والد کا نام حافظ محمد عظیم لدھیانوی ہے۔ حافظ لدھیانوی نعت گو، حمد گو اور بڑے ادیب تھے۔ حافظ لدھیانوی کی پیدائش ۷ جولائی ۱۹۲۰ء لدھیانہ (پنجاب) بھارت ہے حافظ لدھیانوی ڈراما نگار، افسانہ نگار، ادیب، شاعر تھے۔ حافظ لدھیانوی کی وفات ۱۶ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو فیصل آباد (پنجاب)، پاکستان میں ہوئے۔(۱۲)

حافظ لدھیانوی ۲۵ نعتیہ، ۵ حمدیہ، ۲ سفر ناموں، ۲ غزلیات سمیت ۴۱ کتابوں کے مصنف تھے۔

جمالِ حرمین

نعتیہ قطعات

ذوالجلالِ والاکرام

نشیدِ مصوری

متاعِ بے بہا

آئینہ کرم فیصل آباد، بیت الادب، ۱۹۹۸ء میں طبع ہو چکی ہے

مطلع الفجر فیصل آباد، بیت الادب، ۱۹۹۸ء میں طبع ہو چکی ہے

حدیثِ عشق فیصل آباد، بیت الادب، ۱۹۹۸ء میں طبع ہو چکی ہے

ثنائے خواجہ نعتیں

کیف مسلسل

خامہ مژگاں (شاعری)، لاہور، مکتبہ دانش۔، بار دوم اگست ۱۹۷۰ء میں طبع ہو چکی ہے

منزل سعادت

متاع گم گشتہ

یادوں کے خزانے

ذیل میں نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے:

سلام اس پر خدا کے بعد جس کی شان یکتا ہے
جو ممدوحِ خدائے پاک ہے جو سب کا آقا ہے
سلام اس پر کہ جس کا ہر عمل حق کی شہادت ہے
سلام اس ذات پر جو خاتم وحی رسالت ہے
سلام اس پر کہ جس نے درد کی دولت عطا کر دی
سکھائے جس نے کمزوروں کو آئین جواں مردی
سلام اس پر بہاروں کو تبسم جس نے بخشا ہے
زبان گنگ کو حسنِ تکلم جس نے بخشا ہے
سلام عاجزانہ ہو قبول شافع محشر
اسی کے لطف کا سایہ رہے حافظ میرے سر پر[۱۳]

علامہ صائم چشتی (۱۹۳۲۔۲۰۰۰)

حضرت علامہ صائم چشتی اردو اور پنجابی کے معروف نعت گو شاعر، ادیب، محقق اور مترجم تھے وہ تمام عمر علم وادب کے فروغ واشاعت کے لیے مصروفِ عمل رہے بڑے بڑے نامور نعت گو شاعر ان کے شاگرد رہے ہیں۔ علامہ صائم چشتی کی پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۹۳۲ء میں ضلع امرتسر کے قصبہ "گنڈی ونڈ" میں ہوئی آپ کا تعلق شیخ برادری سے تھا۔ والدِ گرامی شیخ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ تجارت پیشہ کے ساتھ ساتھ مذہبی لگاؤ بھی رکھتے تھے اور گاؤں کی مسجد میں قرآن پاک کی تعلیم دیتے تھے۔

آپ نے ابتداءئی تعلیم اپنے والد گرامی اور اپنے گاؤں ہی سے حاصل کی قرآن پاک ناظرہ کے علاوہ عربی اور فارسی کی بنیادی تعلیم بھی اپنے والد گرامی سے حاصل کی آپ چونکہ اپنے والدین کی پہلی نرینہ اولاد تھے اس لیے والد نے آپ کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دی۔ علامہ صائم چشتی نے دینی تعلیم کا آغاز جامعہ رضویہ فیصل آباد کے مولانا سیّد منصور شاہ صاحب سے صرف و نحو پڑھتے ہوئے کیا۔ موصوف ہی سے آپ نے علوم متداولہ کی تمام کتب پڑھیں اور آٹھ سالہ درس نظامی کا کورس اپنی ذہانت و فطانت کی بنا پر دو سال میں مکمل کر لیا۔ پھر دورۂ حدیث شریف جامعہ رضویہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام رسول رضوی سے مکمل کر کے ۱۹۷۰ء میں دستارِ فضیلت اور سند حاصل کی دینی تعلیم کے علاوہ آپ نے طبیہ کالج سے طب یونانی میں ڈپلومہ بھی حاصل کیا۔

1953 فیصل آباد میں اپنے کچھ رشتہ داروں کے ساتھ مل کر کارخانہ بازار میں سوپ میٹریل کا کاروبار شروع کیا اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی پھر ۱۹۵۵ء میں کتابوں کے اشاعتی کاروبار سے منسلک ہو گئے اس کاروبار میں ترقی ہوئی اس طرح ۱۹۵۵ء میں آپ کا سارا خاندان رسولپور جٹاں (شیخوپورہ) سے فیصل آباد منتقل ہو گیا۔ یہاں پھر ۱۹۶۴ء میں جامعہ رضویہ کے باہر ارشد مارکیٹ میں چشتی کتب خانہ قائم کیا جو اب تک علم وادب اور مذہب وملت کی اشاعتی خدمات انجام دے رہا ہے۔

آپ بچپن ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں نعت لکھتے تھے آپ کے اس جوہر کو فیصل آباد کے مذ ہبی ماحول میں اور جلاء ملی آپ کی لکھی ہوئی نعتیں شہر میں ہونے والی محافل میلاد اور عرسوں کی تقریبات میں پڑھی جانے لگیں اس سے آپ کا نام شہر میں گونجنے لگا جو جلد ہی پورے ملک میں نعتیہ شاعری کے اعتبار سے مقبول و معروف ہو گئے۔ لا ہور میں ایک بڑا جلسہ ہوا جس میں کثیر علما موجود تھے وہاں محمد علی ملتانی نے آپ کی لکھی ہوئی یہ نعت پڑھی "محمد کا در چھوڑ کر جانے والو ملانہ ٹھکانہ تو پھر کیا کرو گے" اس نعت پر علمانے بڑی داد دی ماہنامہ "رضوان" لاہور اور "ماہ طیبہ" کوٹلی لوہاراں نے یہ نعت شائع کی علما کرام نے بہت شفقت کی بالخصوص فقیہہ عصر عاشق رسول حضرت مولانا الحاج مفتی محمد امین صاحب مدظلہٗ العالی نے اس نعت شریف کی مقبولیت کی وجہ سے آپ کی دعوت کی۔ علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف زبانوں اردو، فارسی، عربی، پنجابی اور سرائیکی پر مکمل عبور تھا وہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں ہونے والی ادبی تقریبات، محافل، میلاد،

محافل نعت اور سیرت النبی کانفرنسوں میں شریک ہوتے اور اپنا کلام سنا کر داد حاصل کرتے۔ آپ نے فیصل آباد ۱۹۶۰ء کی دہا ئی میں ہنگامہ خیز ادبی تحریک شروع کی پنجابی بزمِ ادب کے وہ بانی تھے اس بزم کے پلیٹ فارم سے آل پاکستان مشاعرے، طرحی مشاعرے اور نعتیہ محافل ان کا طرۂ امتیاز تھا۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد دھوبی گھاٹ کے گراؤنڈ میں ہونے والا ملک گیر مشاعرہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ تھا اس اجتماع میں ایک لاکھ کے قریب افراد نے شرکت کی اس سے پہلے یا اس کے بعد آج تک اتنی بڑی محفل مشاعرہ اس شہر میں منعقد نہیں ہو سکی آپ مشہور نعت گو شاعر دائم اقبال دائم کی مناسبت سے اپنا تخلص صائم لکھتے تھے۔

علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور زندگی گزارتے ہوئے ۲۲ جنوری ۲۰۰۰ء(۱۴ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ) کو رات کے وقت اپنی جان خالقِ حقیقی کے سپرد کی آپ کی نمازِ جنازہ میں شہر کے ممتاز علما، شعراء، ادبا اور نعت خوانوں کے علاوہ کثیر تعداد میں عامۃ الناس نے شرکت کی۔ اولاد آپ کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیوں کے علاوہ تین بیٹوں کی نعمت سے نوازا بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ (۱۴)

۱۔ صاحبزادہ محمد لطیف ساجد چشتی

۲۔ صاحبزادہ محمد شفیق مجاہد چشتی

۳۔ صاحبزادہ محمد توصیف حیدر چشتی

ہر سال چودہ شوال المعظم کو آپ کا عرس مبارک نہایت تزک واحتشام سے جامع مسجد سیّد نا حیدرِ کرار رحمت ٹاؤن غلام محمد آباد فیصل آباد میں منایا جاتا ہے۔ مزار مبارک کو غسل دیا جاتا ہے، رسمِ چراغاں ہوتی ہے، چادر پوشی، ختم شریف کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ محفلِ سماع، نعت خوانی اور علمائے کرام کے خطابات ہوتے ہیں اِن مبارک تقاریب میں ملک اور بیرون ملک سے مشائخ عظام شرکت فرماتے ہیں۔

علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف نعتیہ شاعری کی بلکہ ملک میں نعت گو شاعروں اور نعت خوانوں کی اچھی بھلی جماعت تیار کی کئی شاعر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اصلاح لیتے تھے اردو اور پنجابی زبان کی اپنی لکھی ہو ئی کتب کی تعداد ایک سو سے زائد ہے آپ پورے پاکستان کے شاعروں سے نعت لکھواتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے مجموعوں کو شائع کرتے ،، آپ کے چشتی کتب خانہ پر ہر سال منعقد ہونے والی محفلِ نعت پاکستان بھر میں خصوصی شہرت کی حامل تھی اس محفل میں نعت پڑھنے کے لیے ملک کے سینکڑوں نعت خواں منتظر رہتے اور سٹیج پر آکر نعت پڑھنا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ آپ بعض دفعہ ہلکے پھلکے مشاعرے اپنی دکان پر ہی کر ڈالتے داد دینے میں آپ نے کبھی بخل سے کام نہ لیا خصوصاً نو آموزوں کی خوب خوب حوصلہ افزائی فرماتے آپ کی دکان پر اکثر شاعروں اور نعت خوا نوں کی مجلس رہتی نعت کے میدان ان کی خدمات کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ فیصل آباد کو شہر نعت بنانے میں آپ کا بہت بڑا کردار ہے۔

علامہ صاحب کا نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے جو اعلیٰ حضرت مرحوم کے سلام کی تضمین میں لکھا گیا:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام
دونوں عالم کا حاجت روا آ گیا
یا ساری دنیا کا مشکل کشا آ گیا
گود میں تیری نور خدا آ گیا
آمنہ تیری قسمت پہ لاکھوں سلام
چاند بھی جن کے چہرے کا ہالہ ہوا
آج پیدا ہے وہ کملی والا ہوا
نورسے جس کے ہر سُو اجالا ہوا
اس کے جشن ولادت پہ لاکھوں سلام
آج سارا جہاں غم سے آزاد ہے
ہر مکیں شاد ہے ہر مکاں شاد ہے شاد ہے
آج صائم محمد کا میلاد ہے
آج کے دن کی عظمت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام(۱۵)

علامہ صائم چشتی کا ایک اور نعتیہ سلام پیش خدمت ہے:

حضور اشک سجائے سلام کہتے ہیں
نظر میں دیپ جلائے سلام کہتے ہیں
تمہاری زلف کے سائے کی خیر ہو آقا
ہجوم یاس کے سائے سلام کہتے ہیں
غلام آپ کے آقا بچشم خونبابہ
سروں کو در پہ جھکائے سلام کہتے ہیں
بھریں گے جھولیاں سب کی یقین ہے صائم
فقیر آس لگائے سلام کہتے ہیں(۱۶)

(ب) سلام بحضور امام عالی مقام علیہ السلام

پاکستان میں سلام نگاری نے جس طرح عروج حاصل کیا۔ اس کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دبستان لکھنؤ کی سلام نگاری کے بعد پاکستان کے دبستان سلام نگاری نے ایک عظیم المرتبت حیثیت حاصل کر لی ہے۔ سلام نگاری کی مقبولیت کے پیش نظر پاکستان کے مختلف علاقوں سے متعلق سلام نگاروں نے مختلف زبانوں میں سلام تحریر کیے۔ ان سلاموں کو ملک کے طول و عرض میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ سلام نگاری کی اشاعت کا آغاز اگرچہ قیامِ پاکستان کے بعد فوراً ہو چکا تھا لیکن ۱۹۷۴ء میں میر انیس کی صد سالہ برسی کے موقع پر رثائی ادب کی اشاعت کے بعد بے شمار سلام شائع ہوئے۔ کراچی میں سلام کی مقبولیت ناصر جہاں کی سلام خوانی کے انداز نے اہم کردار ادا کیا۔ سلام خواں اشرف عباس کی آواز کو سلام کی مقبولیت میں بہت دخل حاصل ہے۔ جوش اور ولولہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی نظموں کی وجہ سے ادب میں شروع ہو چکا تھا۔ وہی جوش اور وہی شدت کے جذبات سلاموں میں بھی جاگزیں ہو گئے۔ ان شعراء نے اپنے سلاموں میں اسلامی تعلیمات اور شہادت عظمیٰ کے ایسے پہلو پیش کیے جو مسلمانوں کو متحرک کر سکیں اور ان کو وحدت، مساوات، عدل اور ایثار و قربانی کی ملّی راہ کی طرف مائل کر سکیں۔ کربلا کے واقعات سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی داستانِ ایثار و شہادت اور واقعہ عزم و قربانی اپنے اندر لازوال بصیرتیں رکھتا ہے۔ اس لیے سلام کے کہنے والے بعض صورتوں میں اس فن سے قوم میں ملی بیداری، قومی شعور اور یقین پیدا کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد پاکستان میں سلام نگاری کا احیاء ہوا تو سلاموں میں بھی نئے تجربے ہوئے اور نئی جہتیں سامنے آئیں۔ سیاسی و ذہنی انقلاب سے جو ایک نئی ذہنیت اور معاشرت پیدا ہوئی اس کی جھلکیاں سلاموں میں جابجا نظر آتی ہیں۔ تحفظِ اسلام کے ساتھ ساتھ قیام پاکستان کے بعد کے سلاموں میں بدی سے نفرت کا بڑا اظہار ملتا ہے۔ واقعہ کربلا میں یزید اور اس کے ساتھی بدی کے نمائندے ہیں۔ جب ہم سلام نگاروں کے سلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں منکرات سے نفرت اور بدکاروں کے خلاف ایک منظم تنظیم نظر آتی ہے۔ پاکستان کے ہر شاعر نے اپنے سلاموں میں اس رخ سے سلام کہے ہیں کہ وہ کہیں شمر سے مخاطب ہیں اور کہیں یزید سے اور پھر اہلِ درد کے قافلے کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے وحید الحسن ہاشمی گویا ہیں کہ:

حیوانیت کی ذیل میں ڈھونڈو یزید کو
انسانیت کی فرد میں یہ نام ہی نہیں[۱۷]

پاکستان کے قیام کے بعد سلام نگاری کی روایت میں جدید رجحان پیدا ہوا۔ سلام نگاری کو جدید رنگ سے متعارف کروانے میں جوش اور سید آل رضا کی شاعری نے اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے فکری موضوعات اور جدید فنی تقاضوں کے مطابق سلام نگاری کو نئے رنگ و آہنگ سے روشناس کرایا۔ ذکرِ مصائب و آلام کے بیان میں قدیم آہ و زاری کے انداز کی بجائے سبق آموزی، صبر و استقامت اور حق و باطل کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حوصلہ جدیدیت کی بدولت ہی سلام نگاری

کی مخصوص رنگ کی شکل میں ابھرا۔ تخیل کی کارفرمائی نے نئے نئے استعارے اور تشبیہیں تخلیق کرنے پر آمادہ کیا۔ نئے نئے انداز اختیار کیے گئے تاکہ معانی کو مختلف انداز میں بیان کر کے تاثیر پیدا کی جاسکے۔ قیام پاکستان کے بعد سلام نگاری کو فنِ سخن وری کے اوجِ کمال تک پہنچانے میں جوش ملیح آبادی، سید آلِ رضا، نسیم امروہوی، نجم آفندی اور وحید الحسن ہاشمی نے اہم کردار ادا کیا۔ اب پاکستان کے مختلف سلام نگاروں کا خصوصی تجزیہ پیش کرتے ہیں جنہوں نے امام عالی مقامؑ کی بارگاہ میں نذرانہء عقیدت پیش کیا۔

ناصر کاظمی (۱۹۲۵ء۔ ۱۹۷۲ء)

۸ دسمبر، ۱۹۲۵ء کو امبالہ شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے ۱۹۷۲ء میں لاہور میں وفات پائی۔ ان کے والد محمد سلطان کاظمی رائل انڈین آرمی میں صوبیدار میجر کے عہدے پر فائز تھے۔ ناصر کاظمی بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے۔ انہیں میرؔ سے ذہنی اور قلبی لگاؤ تھا۔ جن کا اظہار انتخاب میر (۱۹۸۹) میں کر چکے ہیں تاہم انہوں نے انتخاب نظر (۱۹۹۰)، انتخاب ولی (۱۹۹۱)، اور انتخاب انشا (۱۹۹۱)، میں شائع کیا۔ ان کا پہلا مجموعہ غزل برنگ نے ۱۹۵۲ میں شائع ہوا بعد ازاں دیوان (غزلیں) ۱۹۷۲، پہلی بارش (غزل) ۱۹۹۰، نشاط خواب ۱۹۷۷ میں شائع ہوا۔ ناصر کاظمی کی شاعری معاصر جذبات، احساسات، مسائل اور رجحانات کی عکاس ہے۔[۱۸] آج کی غزل کے بیشتر رویے ناصر کاظمی کے جدید طرزِ احساس کی کوکھ سے پھوٹے ہیں۔ ناصر کاظمی کو اپنی غزل پر ناز تھا چنانچہ سلام کہا تھا اس میں بھی غزل کا سوز برنگِ سلام لانے کا ذکر کیا۔ ناصر کاظمی کا ایک نمونہ سلام پیش کیا جاتا ہے:

زباں پہ نامِ امام انام لایا ہوں
جواب جس کا نہیں وہ سلام لایا ہوں
نہ مئے نہ خم، نہ صراحی نہ جام لایا ہوں
فقط پیام شہ تشنہ کام لایا ہوں
بدل دیا ہے شہیدوں کے خوں نے رنگِ فلک
نئی زمین نئے صبح و شام لایا ہوں
فرات خونِ جگر میں ڈبو کے نوکِ قلم
پیام درد پئے خاص و عام لایا ہوں
ہلال ماہ محرم کو اشکِ خوں دے کر
فروغ جلوہء ماہِ تمام لایا ہوں
بہت عزیز ہے رنگِ غزل مجھے ناصر

غزل کا سوز برنگِ سلام لایا ہوں[۱۹]

نجم آفندی (ولادت ۱۸۹۳ وفات ۱۹۷۵)

مرزا تجمل حسین نجم کا تعلق مرزا جعفر علی فصیح کے خاندان سے ہے نجم اپنے والد بزم آفندی کے شاگرد تھے۔ نجم آفندی نے اپنی خودنوشت سوانح میں لکھا ہے:

"میرے جد اعلیٰ مرزا نجف علی بلیغ تھے جو مرزا جعفر علی فصیح کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان دونوں سے چھوٹے بھائی ایک اور تھے جن کا نام میرے ذہن میں نہیں رہاہاں غالباً صبیح تخلص تھا یہ مرزا فصیح کے ساتھ مکہ مکرمہ چلے گئے تھے"[۲۰]

رثائی شاعری میں ان کا طرزِ فکر جرات و ہمت کے ساتھ باغیانہ تیور اور جوش و استقلال کا نیا باب ہے۔ نجم نے اپنے خاندان کی شاعری پر فخر کیا ہے۔ نجم کے سلام صرف مذہبی اور عزائی فرائض کی ادائیگی اور امام حسین علیہ السلام کی قربانیوں کی قدردانی کے اظہار تک ہی محدود نہیں۔ ان کے سلاموں میں کربلا والوں کی قربانیوں کے وسیلے سے ایسے پیغامات پوشیدہ ہیں جو انسانیت کو اعلیٰ اقدار کی جانب کھینچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ سلام کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

شہید ظلم غریب الدیار کیا کہنا
حسینؑ درد کے پروردگار کیا کہنا
زباں پہ شکر نگاہوں میں درد دل میں تڑپ
نبی کی شان کے آئینہ دار کیا کہنا
یہ ضعف اور یہ لاشہ جوان بیٹے کا
یہ تیرے دوش پہ کوہ وقار کیا کہنا
شہید ظلم زمانہ شہید ہے تیرا تیرا
ہر ایک قوم میں ہیں سوگوار کیا کہنا

کیا ہے یہ زندگی کا نصب العین
یہ ہے تقلیدِ سید کونین
دل دُکھاتے رہو غریبوں کا
اور کہتے رہو حسینؑ حسینؑ
نظر ڈالے ذرا پستی پہ اپنی
وہ ملت جس کو ناز کربلا ہے[۲۱]

سید آلِ رضا(۱۸۹۶وفات۱۹۷۸)

سید آلِ رضا اساتذہ فن میں شمار ہوتے ہیں انہوں نے اپنی فکر کو الفاظ کے موتیوں میں پرو کر اس طرح پیش کیا کہ ایک طرف تو مرثیے میں روایت کے تمام لوازمات شامل ہیں اور ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے موضوعات کو جدید زندگی اور جدید فکر کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ ان شعراء نے اپنے تہذیبی ماحول اور اپنے لسانی پس منظر کے حوالے سے مرثیے کو ترقی دی ہے۔ سید آل رضا نے انیس اور ان کے بعد آنیوالے شعراءسے اس تسلسل کو ملا کر اپنے انداز میں ایسے مرثیے تحریر کیے ہیں کہ جن میں اُس دور کی شاعری کا مخصوص انداز اور جدید شاعری کا ایک حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ بقول خود ان کے انسانیت، اسلام، ثقلین، کربلا اور حسینیت ان کے مرثیوں کے مرکزی موضوع ہیں۔[۲۲]

اسلام نظمِ غیب پہ ایماں ہے دوستو
اسلام صرفِ حکمتِ قرآں ہے دوستو
قرآن سے جو نسبتِ عقل سلیم ہے
کہنا پڑے گا خلقتِ انساں عظیم ہے

تھا جہاں پھر وہیں قرآن کو لیے آئے حسینؑ
سج گئی جائے محمد کے قریں جائے حسینؑ
مرضی حق سے مزین تھا جو ایمائے حسینؑ
مشعلِ راہ بنا نقشِ کفِ پائے حسینؑ

اک عجب طرز سے اسلام دوبارہ چمکا
خون میں ڈوب کے ایمان کا تارا چمکا

دعوت ذوالعشیرہ کا ذکر

اب دعوتِ اسلام کی تبلیغ ہے مقصود
پھر بھی ہے ابھی مطلبی آل میں محدود
تبلیغ کا ہنگام بالآخر ہوا مسعود
جس پر ہے بھروسہ وہ مددگار ہے موجود

اللہ کا حکم آیا ہے مرضی ہے نبی کی
دعوت ہے عشیرہ کی سفارت ہے علیؑ کی

تسکیں دہ اندوہ نہاں مجلس ہے
غم اپنا بہلتا ہے جہاں مجلس ہے
اللہ رے غریب الوطنی کا عالم
ہم پوچھتے پھرتے ہیں کہاں مجلس ہے(۲۳)

اردو سلام کی صنف میں عہدِ جدید کے ظرف وضرورت اور مزاج وشعور کے تقاضوں کو سمو کر اس روایت میں نئی وسعتیں اور جہتیں پیدا کرنے والے شعراء میں سید آل رضا کا نام یقیناً سابقوں کی صف میں ہے۔ جب ۱۹۵۴ میں سید آل رضا کی نظم شامِ غریباں کو ناصر جہاں نے اپنے خوبصورت لحن میں پیش کیا تو یہ نظم بعد میں سلامِ آخر کے نام سے مشہور ہوئی تو ملک گیر شہرت ان کے نصیب میں آئی۔ رہتی دنیا تک شب عاشورہ کی تاریک رات میں یہی سلام آخر پڑھا جائے گا خدا مغفرت کرے سلام لکھنے والے سید آل رضا کی جن کے قلم نے یہ مصائب و آلام سے عبارت اشکِ غم سے ڈوبا ہوا سلام لکھا:

سلام خاک نشینوں پہ سوگواروں کا
غریب دیتے ہیں پرسہ تمہارے پیاروں کا
سلام ان پر جنہیں شرم کھائے جاتی ہے
کھلے سروں پہ اسیری کی خاک آتی ہے
سلام اس پر جو زحمت کش سلاسل ہے
مصیبتوں میں امامت کی پہلی منزل ہے
سلام بھیجتے ہیں اپنی شاہزادی پر
تھے جن کو سونپ گئے مرتے وقت گھر سرور
مسافرت نے جسے بے بسی یہ دکھلائی
نثار کر دیئے بچے نہ بچ سکا بھائی

اسیر ہو کے جسے شامیوں کے نرغے میں
حسینیت ہے سکھانا علی کے لہجے میں
سکینہ بی بی تمہارے غلام حاضر ہیں

بجھے جو پیاس تو اشکوں کے جام حاضر ہیں
یہ سِن، یہ حشر، یہ صدمے نئے نئے بی بی
کہاں پہ بیٹھی ہو خیمے تو جل گئے بی بی
پہاڑ رات بڑی دیر ہے سویرے میں
کہاں ہو شام غریباں کے گھپ اندھیرے میں
زمین گرم یتیمی کی سختیاں بی بی
وہ سینہ جس پہ کہ سوتی تھیں اب کہاں بی بی
جناب مادر بے شیر کو بھی سب کا سلام
عجیب وقت ہے کیا دیں تسلیوں کا پیام
ابھی کلیجے میں اک آگ سی لگی ہو گی
ابھی تو گود کی گرمی نہ کم ہوئی ہو گی
نہیں اندھیرے میں کچھ سوجھتا کہاں ڈھونڈیں
تمہارا چاند کہاں چھپ گیا کہاں ڈھونڈیں
نہ اس طرح کوئی ہستی ہری بھری اجڑی
تمہاری مانگ بھی اجڑی ہے گود بھی اجڑی
نہیں لعینوں میں انساں کوئی خدا حافظ
درندے اور یہ بے وارثی خدا حافظ
سلام محسن اسلام خستہ تن لاشو
سلام تم پہ شہیدوں کے بے کفن لاشو
شریک حق درود و سلام پیغمبر
سلام سید لولاک کے لٹے گھر پر
سلام تم پہ رسول و بتول کے پیارو
سلام مہر امامت کے گرد سیارو
بچے تو اگلے برس ہم ہیں اور یہ غم پھر ہے
جو چل بسے تو یہ اپنا سلام آخر ہے[۲۴]

جوش ملیح آبادی (ولادت ۱۸۹۸ وفات ۱۹۸۲)

شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی نے اپنے سلاموں کو عصری حسیت کا جامہ پہنایا۔ نوعِ بشر کو کربلا کے واقعات کی انقلاب آفریں روح سے فیض حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ظلم و جبر کے خلاف سر پر کفن باندھنے کی ترغیب دی۔ جوش نے اپنی بات کہنے میں صاف گوئی، آزاد خیالی، اور بے باکی سے کام لیا اور یہی رویہ اپنانے کی ترغیب دوسروں کو دی ہے جوش کے سلام کے اشعار سے بھی ایسے ہی جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔

جوش صاحب کی قادر الکلامی ملاحظہ فرمائیں، بلاشبہ جوش اپنی طرز کے ایک ہی شاعر رہے۔ "کربلا اور پانی" کے موضوع پر جوش صاحب کا یہ اعلیٰ ترین اور منفرد کلام۔ ایسا کلام جس کو جتنی مرتبہ پڑھیں آپ کو الگ دنیاؤں کی سیر کا موقع ملے۔ کبھی سرمستی و سرشاری تو کبھی حزن و یاسیت کی رو میں آپ بہتے چلے جائیں گے۔ مذکورہ نظم گو کہ بہت طویل ہے ذیل میں وہ بند جس میں لفظ سلام مستعمل ہے ملاحظہ فرمائیں:

اے ذوالفقارِ حیدر کرار السلام
اے جانشین احمد مختار السلام
اے بے نیاز اندک و بسیار السلام
اے محور ثوابت و سیار السلام

اے بے مثال پختگی ہمت السلام
اے آدمی کے نازِ الوہیت السلام

اے وجہِ افتخار اب و جَد سلام لے
اے کارسازِ ابیض و اسود سلام لے
اے ذی حیات منبر و معبد سلام لے
اے عارفِ ضمیرِ محمد سلام لے

ناموس انبیاء کے نگہبان السلام
اے رحلِ کائنات کے قرآن السلام[۲۵]

نسیم امروہوی (۱۹۰۸ء۔۱۹۸۷ء)

نسیم امروہوی (پیدائش: ۲۴ اگست، ۱۹۰۸ء - وفات: ۲۸ فروری، ۱۹۸۷ء) پاکستان سے تعلق رکھنے والے لغت نویس، مورخ، صحافی اور اردو کے نامور شاعر تھے جو مرثیہ گوئی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی کے ساتھ مل کر نسیم اللغات کی ترتیب ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ وہ نیشنل ہائی اسکول لکھنؤ اور برِ صغیر پاک و ہند کے دیگر تعلیمی اداروں میں معلم بھی رہے۔ نسیم امروہوی غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، گیت اور نظم سمیت سبھی اصنافِ سخن پر عبور رکھتے تھے لیکن ان کی اصل شناخت مرثیہ نگاری تھی۔ انہوں نے اپنا پہلا مرثیہ ۱۹۲۳ء میں قلمبند کیا۔ ان کے مراثی کی تعداد ۲۰۰ سے زائد ہے۔ ان کی مراثی کی کتاب مراثی نسیم شائع ہو چکی ہے۔ ان کی شاعری پر دیگر کتب نظم اردو اور پھولوں کا ہار کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ وہ لغت نویسی پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے۔ وہ ایک طویل عرصے تک ترقی اردو بورڈ (موجودہ نام اردو لغت بورڈ) میں اردو کی سب سے ضخیم لغت اردو لغت کے مدیر کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے نسیم اللغات، خطباتِ مُشران اور فرہنگ اقبال بھی مرتب کیں۔ نسیم امروہوی کے تلامذہ میں ڈاکٹر سید منظور مہدی رائے پوری، عاشق کیرانوی، حکیم محمد اشرف خان اشرف، میر رضی میر، اطہر جعفری، فیض بھرتپوری، بدر الہٰ آبادی، ڈاکٹر عظیم امروہوی، حسن علی سرفراز، اصغر رضوی، عروج بجنوری، جمیل نقوی، یاد اعظمی، زائر امروہوی، سالک نقوی، ڈاکٹر ہلال نقوی، قسیم امروہوی، وزیر جعفری اور تاثیر نقوی شامل ہیں۔ نسیم امروہوی ۲۸ فروری، ۱۹۸۷ء کو کراچی میں وفات پا گئے اور کراچی میں مسجد آل عبا کے احاطے میں سپرد خاک ہوئے۔ (۲۶)

نسیم امروہوی جانتے تھے کہ صنفِ سلام میں طبع آزمائی کرنا اگرچہ آسان نہیں۔ لیکن اس کے بغیر فنی پختگی کا خیال بھی خام ہے۔ یہی سبب ہے کہ نسیم امروہوی ابتدائی عمر سے لے کر آخری عمر تک سلام لکھتے رہے۔ اس طرح صرف سلام سے ان کا رابطہ سب سے زیادہ گہرا اور وقیع ہے۔ نسیم امروہوی کے سلاموں کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے شعراء کی نسبت اس کے کچھ اختصاص پہلو بھی ہمارے سامنے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان کے سلام میں جدت بھی ہے اور انفرادیت بھی اور حالاتِ حاضرہ پر تنقید بھی کی ہے جتنی پختگی نسیم امروہوی کے سلاموں میں نظر آتی ہے ان کے ہم عصروں میں کم دکھائی دیتی ہے۔

ان کے سلاموں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے تمام اشعار عقیدت کے دریا میں نہائے ہوئے ہیں۔ انہیں اہل بیت کرام سے جو عشق ہے اس کا اظہار جگہ جگہ ان کے سلاموں میں ملتا ہے۔ دوسرے شعراء کی نسبت نسیم امروہوی کے سلاموں میں اصحابِ حسین علیہ السلام کی عظمتوں کا تذکرہ بڑے بھرپور انداز میں کیا گیا ہے:

دبا دبا کر طرح طرح سے زمانہ جس کو چھپا رہا ہے
ابھر ابھر کر وہ خونِ ناحق جہان میں رنگ لا رہا ہے
حبیب و مسلمؑ کے تیوروں میں نئی جوانی مچل رہی ہے

الٰہی میدانِ کربلا میں شباب کس کس پہ آرہا رہا ہے
وفا کو عباسؑ آرہے ہیں کہ حشر گیتی میں آرہا ہے
زمیں کا بڑھتا ہوا تزلزل فلک کو جھولا جھلا رہا ہے
بہیشت حد کمال رضواں نسیم باغ ثنا پہ نازاں
ہر اک بطور مذاق فطرت چمن چمن گل کھلا رہا ہے(۲۷)

کربلا تجھ پر کرے سجدہ نہ کیونکر آفتاب
خود تیرے دامن میں پنہاں ہیں بہتر آفتاب
رخ تو رخ کیا تاب دیکھے پشتِ حیدر آفتاب
روبروئے مہر وحدت تھے جو چودہ آئینے
ایک سورج سے بنے چودہ برابر آفتاب(۲۸)

نسیم امروہوی کے سلاموں میں جگہ جگہ منطقی اور استدلالی انداز پایا جاتا ہے۔ وہ اپنی بات کو وزنی اور جاندار بنانے کے لیے استدلال سے کام لیتے ہیں۔ استدلالی انداز کے باوجود انہوں نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ سلاموں کی شگفتگی اور روانی پر اثر نہ پڑے بلکہ ادبیت برقرار رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سلاموں میں شاعرانہ سجاوٹوں اور فنی حسن و جمال کے ساتھ منطقی اور عالمانہ استدلال کو درجہ کمال پر پہنچا دیا۔

ڈاکٹر مسعود رضا خاکی (۱۹۲۶ء۔۱۹۸۸ء)

معروف شاعر ناصر کاظمی مرحوم کے فرزند ارجمند پروفیسر حسن سلطان کاظمی جو کہ مسعود رضا خاکی صاحب کے داماد ہیں ان کی تحقیق کے مطابق:

ڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکی (۱۹۸۸-۱۹۲۶) ممتاز ماہرِ تعلیم، ہردلعزیز اُستاد، شاعر، ادیب، محقق، مذہبی سکالر، معروف و مقبول شاعرِ اہلِ بیتؑ اور ایک قد آور علمی و ادبی شخصیت تھے۔ اُنہوں نے جوانی میں نظمیں، غزلیں، ترانے اور ملی نغمے بھی لکھے۔ اُنہیں فلم بینی، موسیقی اور دیگر فنونِ لطیفہ میں بھی گہری دلچسپی تھی لیکن بعد میں ساری زندگی اُن کا رحجان مذہبی شاعری کی طرف رہا اور حمد، نعت، سلام، منقبت، قصائد، قطعات، مسدس، رباعیات اور جدید مرثیے کے حوالے سے اپنے ہمعصروں میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو منوایا اور اِن اصنافِ سخن میں نئے اور معنی خیز اضافے کئے اور شعراءئے اہلِ بیت میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ آج تک اُن کا کلام مختلف محافلِ عقیدت میں بڑی محبت اور احترام سے پڑھا جاتا ہے۔

خاکی صاحب فلاحی اور رفاعی کاموں میں بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے دوست محمد رضا نقوی کے ساتھ مِل کر ۱۹۶۷ میں کرشن نگر، اسلام پورہ، لاہور اور آس پاس کے علاقوں کے بچوں کے لئے باب العلم گرلز ہائی اسکول

قائم کیا جس کی ہیڈ مسٹریس ہماری والدہ محترمہ (باجی) کو منتخب کیا گیا جو پہلے سے ہی اپنے سماجی اور فلاحی کاموں میں فعال ہونے کی وجہ سے مسز کاظمی کے نام سے مقبول تھیں۔ ۱۹۷۲ میں مسز کاظمی کی سربراہی میں پہلے سے موجود سٹاف کے ساتھ اِس اسکول کو بھی نیشنلائیز کر دیا گیا جہاں سے ہزاروں طالبِ علم اور خاندان مستفید ہُوئے۔ اِس کے علاوہ محترم آغا نثار احمد مرحوم (بانیء امامیہ جنتری وافتخار بکڈپو، اسلام پورہ، لاہور)، مبارک نقوی صاحب اور دیگر احباب کے ساتھ مِل کر شیعہ جامع مسجد، کرشن نگر، لاہور کی تعمیرِ نو کے لئے ۱۹۶۰ کی دہائی میں خاکی صاحب کی خصوصی خدمات کو بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

مجھے خاکی صاحب (جنہیں ہم ڈیڈی کہتے ہیں) کا داماد اور قاری ہونے پر انتہائی فخر ہے اور وہ بھی مجھے بیٹے کی طرح پیار کرتے تھے۔ کیا شُستہ، نفیس، مشفق اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ اُن کی کئی کتابوں کو مرتب کرنا میرے لئے باعثِ اعزاز ہے۔ آغا مسعود رضا خاکی ولد آغا محمود رضا قزلباش ۵ جنوری ۱۹۲۶ کو میرٹھ، جاورا، انڈیا میں پیدا ہُوئے اور وہیں سے بارہائی اسکول سے ۱۹۴۳ میں میٹرک کیا۔ اُسی سال اپنے والد کے انتقال کے باعث میرٹھ، جاورا سے ترکِ سکونت کر کے بسلسلۂ ملازمت دہلی آ گئے۔ ۱۹۴۳ سے ۱۹۴۶ تک دہلی میں وار ڈیپارٹمنٹ اور راشننگ کے محکمہ میں ملازمت کی۔ ۱۹۴۶ میں منشی فاضل اور ۱۹۴۹ میں ادیب فاضل پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ شاعری کا آغاز ۱۹۳۸ میں کیا۔ اپنے ماموں مظفر عباس صاحب سے اصلاح لی۔ ۱۹۴۲ میں اُن کے انتقال کے بعد جناب اکبر حسین اکبر صاحب سے استفادہ حاصل کیا لیکن چند غزلیں ہی اُنہیں دِکھا پائے تھے کہ اُنہیں دہلی آنا پڑا۔ ۱۹۴۸ میں سیماب اکبر آبادی سے اصلاحِ سخن کے سلسلے میں رجوع کیا اور ۱۹۵۰ تک اُن سے اصلاح لی۔ ۱۹۴۷ کے ہنگامہء نقل مکانی میں خاکی صاحب کا تمام سرمایہء کتب و نگارشات تلف ہو گیا۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان آ گئے اور راولپنڈی میں صدر کے علاقے میں رہائش پذیر ہُوئے۔ ۱۹۴۷ میں اُن کی شادی جناب آغا نثار احمد صاحب کی صاحبزادی اختر ناز عرف مصطفائی بیگم سے ہُوئی۔ ۱۹۴۷ سے ۱۹۵۶ تک جی ایچ کیو، راولپنڈی میں ملازمت کی جس کے دوران اپنی تکمیلِ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ۱۹۵۲ میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے اور ۱۹۵۴ میں گارڈن کالج، راولپنڈی سے ایم اے اُردو کیا اور وہیں سے ۱۹۵۶ میں بطور لیکچرار اپنے تدریسی کیریئر کا آغاز کیا۔ اِس کے ساتھ ساتھ وہ حلقہء اربابِ ذوق، رالپنڈی میں اپنا کلام پیش کرتے رہے اور تقریباً آٹھ سال یہ سلسلہ جاری رہا۔ اُس زمانے میں اُن کی بہت سی نظمیں رسالہ مسرت راولپنڈی، ہمایوں لاہور، عالمگیر لاہور، صبحِ نو راولپنڈی، عصمت کراچی اور دیگر رسائل میں شائع ہوتی رہیں۔ ۱۹۶۰ میں راولپنڈی سے لاہور آ کر کرشن نگر، اسلام پورہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ہم لوگ پہلے سے ہی وہاں رہائش پذیر تھے۔ خاکیؔ صاحب، پاپا (ناصرؔ کاظمی) کے مداح اور عقیدت مند بھی تھے اور آخری بس سٹاپ کے قریب رہتے تھے۔ یوں شروع سے ہی ہمارے گھریلو مراسم تھے۔

لاہور آنے کے بعد وہ حلقہء اربابِ ذوق کے مختلف اجلاسوں میں بھی بھرپور شرکت کرتے رہے۔ ۱۹۶۵ کے بعد خاکی صاحب کا رجحان زیادہ تر مذہبی شاعری کی طرف رہا لیکن کبھی کبھی غزلیں اور سماجی اور ادبی موضوعات پر نظمیں بھی لکھتے رہے۔ ۱۹۷۰ میں حلقہء شعراءئے اہلِ بیت، لاہور اور ۱۹۷۲ میں اُنہیں حلقہء شعراءئے اہلِ بیت، پاکستان کے بنیادی

اراکین میں شامل کر لیا گیا جس میں جناب قیصر بارہوی، جناب سیف زلفی، جناب وحید الحسن ہاشمی، جناب آغا مسعود رضا خاکی، جناب ظہور جارچوی، جناب وجاہت سونی پتی، جناب اثر ترابی اور جناب گہر جلالوی جیسے صاحبانِ شعور شامل تھے۔ اِن حضرات کے علاوہ پاکستان کے چاروں صوبوں سے متعدد شعراء کرام ہم آہنگ ہُوئے اور حلقہء شعرائے اہلِ بیت، پاکستان وجود میں آیا۔ اُس کے بعد سے خاکی صاحب کو ہر محفلِ مسالمہ، نعتیہ مشاعروں اور خصوصی ایام کی نشستوں اور تقاریب میں بہت عقیدت و احترام سے بُلایا جاتا تھا اور وہ ہر محفل کی جان ہُوا کرتے تھے۔

شاعرِ آلِ عباڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکی کا شمار اُردو کے معروف اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ شعبہء تعلیم و تدریس سے تیس برس سے زائد عرصے تک منسلک رہے (۱۹۵۶ تا ۱۹۸۶) اور اپنا تدریسی، تحقیقی، علمی اور ادبی سفر جاری رکھا۔ ۱۹۵۶ میں گارڈن کالج، راولپنڈی سے بطور لیکچرار، اُردو آغاز کیا، ۱۹۵۸ میں گورنمنٹ کالج، رحیم یار خان، ۱۹۵۹ تا ۱۹۶۸ گورنمنٹ کالج، شیخوپورہ کے بعد ۱۹۶۸ میں گورنمنٹ کالج، باغبانپورہ، لاہور (موجودہ گورنمنٹ شالیمار کالج) میں ریٹائرمنٹ تک اپنے فرائضِ منصبی سَرانجام دیتے رہے۔

1969 پنجاب یونیورسٹی، لاہور نے اُن کے تحقیقی مقالے "اردو افسانے کا ارتقاء" پر اُنہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا۔ ۱۹۷۷ تا ۱۹۷۹ وہ ڈپٹی ڈائریکٹر، سَررشتہء تعلیم، پنجاب، لاہور بھی رہے۔ آپ بطور اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج باغبانپورہ، لاہور سے ۱۹۸۶ میں ریٹائر ہوئے۔خاکی صاحب پر ایف سی کالج، پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کا مقالہ بھی لکھا گیا۔ اس کے علاوہ خاکی صاحب نے "شرر اور ان کے تاریخی ناول" پر بھی بہت عمدہ مقالہ لکھا جو بے حد سراہا گیا۔اُن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے جس پر کام ہونا باقی ہے۔ آپ ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی تھے اور اُنہوں نے ڈی ایچ ایم ایس (ہومیو پیتھک کا ڈپلومہ) ۱۹۸۷ میں کیا اور اپنے گھر میں ہومیو پیتھک کلینک بھی بنوایا لیکن وقت نے اِتنی مہلت نہ دی کہ وہ خود اس کا باقاعدہ آغاز کرتے اور ۷ اگست ۱۹۸۸ کو اپنے مداحوں اور چاہنے والوں کے دلوں میں اپنی یادیں اور کام چھوڑ کر اِس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

ڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکیؔ کی ابتدائی کتابوں کی اشاعت اور فروغ کے لئے افتخار بکڈپو، اسلام پورہ، لاہور کے پروپرائیٹر اور خاکی صاحب کے برادرِ نسبتی جناب آغا افتخار حسین صاحب (افتخار بھائی) ولد آغا نثار احمد (بانیء امامیہ جنتری و ادارہ) کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ افتخار بکڈپو سے خاکی صاحب کی شائع کردہ کتابیں تذکرہء کرب و بلا، لبِ کوثر، آیاتِ وفا، کیفِ غم، ماں اور حقوقِ والدین کے مرثیے، ہوائے خلد اور بیبیاں پاک دامن بہت مقبول ہوئیں۔

خاکی صاحب کے انتقال کے بعد اُنکی بیگم اور میری خوش دامن صاحبہ، اختر ناز عرف مصطفائی بیگم (امی) نے مجھ سے ڈیڈی کی زیرِ طبع کتابوں کو مرتب کرنے اور شائع کرنے کا کہا جو میرے لئے بہت اعزاز کی بات تھی اور جب اُنکی تمام کتابیں، غیر مطبوعہ کتابوں کے اصلی مسودات، ڈائریاں اور دیگر کاغذات میرے سپرد کئے تو مجھے وہ لمحہ یاد آ گیا جب ہماری والدہ محترمہ (باجی) نے پاپا کی ڈائریاں اور خطوط مجھے دیئے تھے۔۔۔۔۔۔ یہ لمحات میری زندگی کا سرمایہ اور اثاثہ ہیں۔ میری

خوش نصیبی ہے کہ خاکی صاحب کی زندگی میں ہی اگست ۱۹۸۷ میں اُن کے ڈاکٹریٹ کے تحقیقی مقالے ”اردو افسانے کا ارتقاء“ کو اپنے اشاعتی ادارے مکتبہء خیال سے کتابی صورت میں خود شائع کرواکے جب اُنہیں کتاب پیش کی تو وہ بہت خوش ہُوئے، میرا ماتھا چوما اور شاباش کے ساتھ ڈھیروں دُعائیں دیں جو آج تک میرے ساتھ ہیں۔۔۔۔۔ "اردو افسانے کا ارتقاء" ادبی اور تحقیقی اعتبار سے منفرد اور اہم کتاب ہونے کے علاوہ نصابی اہمیت کی حامل بھی ہے اور ادب کے قارئین اور محققین کے لئے رہنما اور ایک استاد کا نایاب تحفہ بھی ہے۔۔۔ خاکی صاحب کے انتقال کے بعد اُنکی حمد و نعت کی کتاب "معراجِ سخن"، ستمبر ۱۹۹۰ میں اور "جدید مرثیے" ۱۹۹۴ میں مرتب کرنے کا اعزاز حاصل ہُوا جسے احباب اور قارئین نے بہت پسند کیا اور میرا حوصلہ بڑھایا جس کے لئے سب کا ممنون ہوں۔ "جدید مرثیے" خاکی صاحب کی نمائندہ کتاب ہے جس میں اُن کے تمام کلام کو سامنے رکھ کر اُنکے بیس مرثیے شامل کئے ہیں جن میں پہلے سے شائع شدہ "آیاتِ وفا" کے دو مرثیے، حسینیت، حق و باطل، ماں اور حقوقِ والدین بھی شامل ہیں۔ مسدس کی ہیت میں لکھے گئے اِن مرثیوں کے ۹۹۸ بند ہیں۔ گویا تقریباً چھ ہزار مصرے۔۔۔ اِس کتاب میں عصری اور انقلابی مرثیے شامل ہیں۔انشائیہ کے انداز میں لکھ کر خاکی صاحب نے ایک نیا اور کامیاب تجربہ کیا جو بے حد سراہا گیا۔ جناب آغا سلمان باقر صاحب "جدید مرثیے" میں شامل اپنے مضمون بعنوان "ڈاکٹر خاکی اور جدید مرثیہ" میں لکھتے ہیں "خاکی صاحب نے جدید مرثیے میں خاص طور پر اُن موضوعات پر لکھا ہے جو آج کے جدید ترین سائنسی اور معاشرتی ارتقاء کا جزو ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی اپنے منفرد اور شگفتہ اندازِ شعر اور فِکر کی بلندیء پرواز کے باعث اِس کتاب میں خاصے بلند قامت مرثیہ گو دکھائی دیتے ہیں۔اُن کے احساس کی گہرائی اور اُنکی تخلیقی نمود جس خوبصورتی کے ساتھ ذہن کے اُفق پر پھیلتی اور سمٹتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے یہاں جدید مرثیے کا مستقبل پوشیدہ ہے“(۲۹)

خاکی صاحب کے فنِ شعر، اندازِ بیان اور اُنکے مقام کے بارے میں مشاہیر، علماء دین اور بہت سے لوگوں نے لکھا ہے جن میں مشہور عالمِ دین جناب آغا سلمان باقر، علامہ مولوی سید محمد جعفر قبلہ، خطیبِ جامع مسجد، اسلام پورہ، لاہور، جناب سید قائم علی فانی جارچوی، جناب قیصر بارہوی، جناب سید محمد امروہوی، مجتہد العصر اور ابوالاثر حفیظ جالندھری قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے خاکی صاحب کی کتابوں کے تعارف میں اُن کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ خاکی صاحب ۱۹۶۰ میں لاہور آنے سے پہلے ہی شعر و ادب کی دنیا میں مقبول ہو چکے تھے۔ شاعرِ اسلام جناب ابوالاثر حفیظ جالندھری نے ۱۶ اپریل ۱۹۶۱ کو راولپنڈی سے اپنے ایک خط میں لکھا۔ ”۔۔۔۔ جواں بخت آقائے مسعود رضا کی خدمت میں ایک فرسودہ بوڑھے حفیظ جالندھری کا سلام پہنچے۔۔۔ اغلباً نہیں بلکہ یہ میری اکسٹھ سالہ زندگی میں پہلا خط ہے جو مَیں بے اختیار ہو کر لکھ رہا ہوں۔ مجھے آپ کا اسلوبِ نگارش اور سادگی و پُرکاری کے ساتھ آپ کی وسعتِ قلب و نظر کا انداز بہت پسند آیا۔۔۔ مجھے آپ کی تحریر اپنے قلب کا عکس نظر آئی۔ طبیعت لہرائی اور یہ سطور لکھ دیں۔۔۔ دُعا گو! حفیظ جالندھری“۔

ڈاکٹر آغا مسعود رضا خاکی نے سینکڑوں کی تعداد میں مختلف نظمیں، غزلیں، حمد، نعت، سلام، قطعات، رباعیات، قصائد اور جدید مرثیے لکھے۔ اِس لئے اُنہیں یکجا کرنا ایک وقت طلب اور عمیق کام تھا لیکن میرے بیٹے ارتضٰی حسن (عاصر کاظمی) اور مَیں نے مِل کر اُن کے تمام کاغذات، مسودات، ڈائریاں اور اُنکی کتابوں کو دوبارہ پڑھا اور خاکی صاحب کی غیر مطبوعہ کتابوں کی فہرست بنائی جس میں نعرہء حیدری (مناقب)، سلام و قصائدِ خاکی (جو اُنکی چار کتابوں بہارِ اسلام، بساطِ عزا، سُرخیء اسلام اور گلبہارِ عقیدت پر مشتمل ہے)، قطعاتِ خاکی، اسلامی انقلاب (ایران کے انقلاب پر نظمیں)، کلامِ خاکی (غیر مذہبی شاعری۔۔۔ نظمیں، غزلیں، ترانے اور ملی نغمے) اور کلیاتِ خاکی شامل ہیں۔ کچھ عرصہ قبل خاکی صاحب کے پوتے اور میرے برادرِ نسبتی اور بچپن کے دوست آغا شکیل رضا غزالی (مرحوم) کے بیٹے مہدی رضا نے بھی اِن زیرِ طبع کتابوں کی اشاعت میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تو مجھے مزید خوشی اور اطمینان ہُوا۔ مہدی رضا اور ارتضٰی حسن (عاصر کاظمی) نے تمام کتابوں کو ای بکس کی فارم میں شائع کرنے کا بیڑا اُٹھایا اور اپنی بہنوں (کزن) سیدہ ایمن فاطمہ اور بتول عباس کو اپنی ٹیم میں شامل کیا جنھوں نے جدید الیکٹرانک ٹیکنالوجی کے تکنیکی معاملات میں بھرپور معاونت کی جس کے لئے وہ شاباش کے مستحق ہیں۔ میری زیرِ نگرانی اِن کتابوں کی پروف ریڈنگ کا کام ابھی جاری ہے اور مجھے خوشی ہے کہ خاکی صاحب کی نئی کتاب ”نعرہء حیدری“ ای بُک کی صورت میں اُن کے مداحوں اور چاہنے والوں کے لئے پیش کر دی گئی ہے۔ خاکی صاحب کی دیگر کتابیں ابھی طباعت کے مراحل میں ہیں اور باری باری قارئین تک پہنچا دی جائیں گی۔ خاکی صاحب کا نمونہ سلام دیکھیے گا کہ:

آنکھ جس کی کربلا والوں کے غم میں نم نہیں
وہ مسلماں ہو تو ہو، اسلام کا محرم نہیں
پوری امت پر ابھی تک قرض ہے اجرِ رسول
یہ خدا کا حکم ہے، چون و چرا کا دم نہیں
آسماں پر ہو رہی ہے مجلسِ ذکرِ حسین
کیا فرشتوں کے دلوں میں کربلا کا غم نہیں
تین دن پیاسی لبِ دریا رہی آلِ نبی
اضطرابِ موج اس دن سے ابھی تک کم نہیں
دل کی دھڑکن ماتم شبیر کی آواز ہے
جب یہ ماتم ختم ہوجائے سمجھنا ہم نہیں
ہر مصیبت سے کیا خاکی نے ذکرِ کربلا
زخم دل کا اس سے بہتر دوسرا مرہم نہیں[۳۰]

قیصر بارہوی (۱۹۲۸ء-۱۹۹۶ء)

سید قیصر عباس زیدی المعروف قیصر بارہوی ۱۶ جنوری ۱۹۲۸ کو بارہہ کی ایک بستی کیتھوڑا میں پیدا ہوئے۔ والد سید وزارت حسین زیدی کے زیرِ تربیت ابتدائی تعلیم پائی۔ گیارہ برس کی عمر میں لکھنؤ آئے اور ۱۹۵۰ تک وہاں مقیم رہ کر مغربی تعلیم کے ساتھ علومِ مشرقی کی تحصیل بھی کی۔ علم عروض کو بھی سیکھا۔ ۱۹۳۸ میں شاعری کی ابتداء کی۔ شاعری میں نجم آفندی سے متاثر تھے۔ اور انیس کے بھی معتقد تھے۔ ۱۹۵۰ میں وہ ۲۲ برس کی عمر میں جب پاکستان آئے تو ادارہِ ترقیاتِ تھل میں انہوں نے گورنمنٹ کی ملازمت اختیار کی۔ ملازمت کے سلسلے میں وہ پنجاب کے مختلف شہروں میں رہے۔ پنجاب کے مختلف حصوں میں رہے تاہم ۱۹۶۹ میں ادارہ ترقیاتِ تھل ختم ہو جانے کے بعد انہیں ریونیو بورڈ کی تھل برانچ میں ملازمت مل گئی لہٰذا مستقل طور پر لاہور میں سکونت اختیار کی۔

قیصر بارہوی نے ۱۹۴۲ء میں دیارِ سخن میں قدم رکھا۔ ابتداء مشق سخن کے لئے غزل کو منتخب کیا۔ کچھ عرصہ طبع آزمائی کرنے کے بعد سلام اور قصائد کی صنف کی طرف متوجہ ہوئے اور اس گلستان میں رنگارنگ پھول کھلائے۔ جب کلام میں فنی پختگی آگئی تو صنفِ مرثیہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں حضرت عباسؑ علم بردار کی شان میں ۷۷ بندوں پر مشتمل ایک مرثیہ لکھنؤ کی فضائے شاعری سے متاثر ہو کر، خوب بنا سنوار کر کہا۔ اہلِ علم اور صاحبانِ فن نے اس کی خوب قدر کی اور انہیں مسلسل مرثیہ گوئی کا مشورہ دیا۔ صنفِ مرثیہ کا لگایا ہوا یہ تخم ایسا بارآور ثابت ہوا کہ ایک چھتناور شجر کی صورت اختیار کر گیا اور اب تو مرثیہ قیصر بارہوی کی شناخت بن چکا ہے۔ انہوں نے ۱۰۲ مرثیے کہے جو رنگ ان کے مرثیوں میں ہے وہی رنگ ان کے سلاموں میں جھلکتا ہے وہ اپنے سلاموں سے شہدائے کربلا کی سیرت اور ان کے کارہائے نمایاں کو موضوع بناتے ہیں۔[۳۱] قیصر بارہوی فکری شاعر ہیں ان کے سلاموں میں جدید طرزِ احساس موجود ہے نجم آفندی نے اپنے نوحوں اور سلاموں کے ذریعے جس جدید فکر کی آبیاری کی تھی، قیصر بارہوی کے ہاں روایت کی پاسداری موجود ہے۔ ان کے سلاموں کی ادبی اور فنی خوبی یہ ہے کہ انہیں الفاظ کے استعمال پر پوری قدرت ہے وہ لفظوں کی تجسیم کاری سے منظر کو زندہ کر دیتے ہیں۔ الفاظ و تراکیب میں مرثیے کی گھن گرج موجود ہے۔ بلاشبہ قیصر اپنے عہد کے بڑے سلام نگاروں میں شامل ہیں۔ قیصر بارہوی نے نئی فکر کے سورج کا سفر کس طرح رقم کیا دیکھتے ہیں:

درد کی سیج بنا خونِ گلِ تر کیا کیا
زخم لہراتے ہیں خوشبو کے بدن پر کیا کیا
کبھی طائف میں کچھ شام کے بازاروں میں
وحشتِ فکر نے برسائے ہیں پتھر کیا کیا
یاد ہے دامنِ تاریخ میں سورج کا لہو
روشنی روئی ہے مقتل کی زمیں پر کیا کیا

پیاس کفِ ابر کی تخلیق میں گوہر کیا کیا
خشک ہونٹوں نے اچھالے ہیں سمندر کیا کیا
ایک مظلوم کا اندازِ فراست دیکھو
بھر دیے صبر کی شمشیر میں جوہر کیا کیا
دوستو! فکر گلستاں ہے تو اتنا سوچو
چند پھولوں نے سہے ناوک و خنجر کیا کیا[۳۲]

در و دیوارِ گلستاں کی صباحت کیا ہے
شام زنداں میں نقیبانِ سحر مہکے ہیں
خاک مقتل پہ بدن نیزوں پر سر مہکے ہیں
چند پھولوں نے کچھ اس طرح فنا بندی کی
آئینے پھول اٹھے آئینہ گر مہکے ہیں[۳۳]

غلام محمد قاصر (۱۹۴۴ء۔۱۹۹۹ء)

غلام محمد قاصر ۱۹۴۴ میں پاکستان کے شہر ڈیرہ اسماعیل خان سے ۴۰۰ کلو میٹر شمال میں واقع ایک چھوٹے سے قصبے پہاڑ پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے تین شعری مجموعے تسلسل، آٹھواں آسماں بھی نیلا ہے اور دریائے گماں شائع ہوئے جنہوں نے سنجیدہ ادبی حلقوں میں بے پناہ پزیرائی حاصل کی اور قاصر کو جدید اردو غزل کے نمائندہ شعراء میں ایک منفرد مقام کا حامل قرار دیا گیا۔ ان کا تمام شعری کلام جس میں مذکورہ بالا تینوں مجموعے اور غیر مطبوعہ و غیر مدون کلام شامل ہے۔ کلیاتِ قاصر (اک شعر ابھی تک رہتا ہے) کے عنوان سے ۲۰۰۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔ انہوں نے پی ٹی وی اور ریڈیو پاکستان کے لیے متعدد ڈرامے اور پروگرام لکھے جو ناظرین و سامعین میں بے حد مقبول ہے۔ قاصر کا تحریر کردہ ڈراما سیریل تلاش اور بچوں کے لیے کھیل بھوت بنگلہ نے خاص طور پر بہت مقبولیت حاصل کی۔ قاصر نے پاکستان کے کچھ اہل قلم پر عمدہ مضامین رقم کیے۔ پاکستان اور بیرون ملک پاکستان منعقد ہونے والے مشاعروں اور ادبی کانفرنسوں میں شرکت بھی کی۔ جبکہ این ڈبلیو ایف پی ٹیکسٹ بک بورڈ کے لیے ساتویں، گیارہویں جماعت کے لیے نصاب مرتب کیا۔ قاصر کی زندگی میں ان کے تین شعری مجموعے شائع ہوئے، 'تسلسل،' 'آٹھواں آسمان بھی نیلا ہے،' اور 'دریائے گمان،' جب کہ کلیات 'اک شعر ابھی تک رہتا ہے' مرنے کے بعد شائع ہوئی۔ تین ماہ تک جگر کے سرطان میں مبتلا رہنے کے بعد غلام محمد قاصر ۲۰ فروری ۱۹۹۹ کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کی وفات پر ادبی حلقوں میں یہ بازگشت سنائی دی گئی کہ جدید غزل کے امکانات کا شاعر رخصت ہو گیا ہے۔ پی ٹی وی اور ریڈیو پاکستان نے غلام محمد قاصر کے انتقال پر تعزیتی پروگرام نشر کیے۔[۳۴]

ان کا نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے:

جو پیاس وسعت میں بے کراں ہے سلام اس پر
فرات جس کی طرف رواں ہے سلام اس پر
سبھی کنارے اسی کی جانب کریں اشارے
جو کشتیِ حق کا پاسباں ہے سلام اس پر
جو پھول تیغِ اصول سے ہر خزاں کو کاٹیں
وہ ایسے پھولوں کا پاسباں ہے سلام اس پر
مری زمینوں کو اب نہیں خوف بے ردائی
جو ان زمینوں کا آسماں ہے سلام اس پر
حیات بن کر فنا کے تیروں میں ضوفشاں ہے
جو سب ضمیروں میں ضوفشاں ہے سلام اس پر
میں جلتے جسموں، نئے طلسموں میں گھر چکا ہوں
وہ ابرِ رحمت ہے، سائباں ہے سلام اس پر
شفق میں جھلکے کہ گردنِ اہلِ حق سے چھلکے
لہو تمہارا جہاں جہاں ہے سلام اس پر(۳۵)

قیامِ پاکستان کے بعد قلیل عرصے میں سلام نگاری کی روایت کو جو استحکام نصیب ہوا اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ سلام نگاری کا مستقبل بہت امید افزا اور تابناک ہے سلام نگاری کے اسلوب بیان، اثر انگیزی اور عزائی تاثر میں قابلِ ذکر اثر پیدا ہوا۔ علاوہ ازیں سلام نگاری کے موضوعات اور دیگر روایات کی ادائیگی میں خوشگوار تبدیلی دکھائی دیتی ہے جس کی بدولت سلام نگاری میں جدیدیت کا رنگ ابھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اگرچہ قدیم روایت سے متاثر شعراء کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہو رہا ہے لیکن جدید رنگ اور طرزِ بیان نے سلام نگاری کو نئے اسلوب اور موضوعاتی تاثر سے ہمکنار کیا ہے جسے بجا طور پر قدیم و جدید کا حسین امتزاجی رنگ کہا جا سکتا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد نعتیہ سلاموں میں بھی قابلِ ذکر اضافہ ہوا۔ مختلف علاقوں، شہروں اور رہائش گاہوں میں سلام خوانی کی محافل منعقد ہو رہی ہیں جن میں ملک کے نامور سلام نگار شعراء اپنا تازہ کلام سناتے ہیں قیامِ پاکستان کے بعد سلام خوانی کی حوصلہ افزائی کے لیے جہاں مختلف مراکز قائم کیے گئے وہاں مختلف انجمنیں بھی معرضِ وجود میں آئی ہیں۔ جن کے زیرِ اہتمام نعتیہ محافل منعقد ہوتی رہتی ہیں اور نعت گو شعراء اپنے مخصوص انداز میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی

بارگاہ میں نعتیہ سلام پیش کرتے ہیں۔ انجمنیں سلام خواں حضرات کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں ان انجمنوں کی کوششوں کی بدولت ملک کے طول و عرض میں سلام خواں حضرات ان روحانی محافل کی رونق بڑھاتے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد سلام نگار شعراء کے کلام کی تدوین و تالیف اور تصنیف و اشاعت کا کام بہت امید افزا ہے۔ قدیم شعراء کے سلاموں کے ساتھ ساتھ جدید شعراء کے کلام کی اشاعت کی جارہی ہے جن کی بدولت سلام نگاری کی روایت کو پنپنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع مل رہے ہیں۔ سلاموں کی اشاعت سے سلام کہنے کی روایت کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے اور نئے شعراءء کرام اپنے سلاموں کی عقیدت مندانہ کاوشوں کی بدولت محفل مسالمہ کی رونق کو دوبالا کر رہے ہیں۔ سلام نگار شعراءء کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ پاکستان کی سلام نگاری کی روایت کے روشن مستقبل کی دلیل ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ان رسائل و جرائد کی تعداد میں بھی امید افزا اضافہ ہوا ہے۔ جن میں سلام نگاری کی مختلف خصوصیات، خدوخال اور محاسن کو مدنظر رکھتے ہوئے سلام نگار کے کلام کا ناقدانہ جائزہ لیا جاتا ہے۔

اس طرح سلام نگاری کی ترقی اور اشاعت میں اضافے کا سبب عوام کی اندھی تقلید نہیں بلکہ ہوش و خرد اور عقل و شعور کی صلاحیتوں کو بہت دخل ہے۔ عقل و شعور کی بدولت عوامی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلی سلام نگاری کی روایت کی ترقی کے لیے بہت سازگار اور اہمیت کی حامل ہے۔ عوام نے عصری تقاضوں کو سمجھتے ہوئے فکری اور شعوری سطح پر جس ردعمل کا اظہار کیا ہے اس کے پیش نظر یہ قیاس مہمل نہیں ہے کہ پاکستان میں سلام نگاری کو اس قدر عروج حاصل ہوگا کہ ماضی کی تمام روایات ماند پڑ جائیں گی۔ سلام نگاری میں اضافے اور ارتقا کا اندازہ ۱۹۴۷ سے دورِ حاضر تک ہونے والی سلام نگاری کی روایت کی پیش رفت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جن حضرات نے سلام نگاری کی روایت کو دوام بخشا ہے ان میں تمام سلام نگار شعراء کے علاوہ سلاموں کی تدوین و اشاعت تصنیف و طباعت، محافل مسالمہ کے انعقاد و انصرام اور دیگر مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنے والے حضرات قابلِ ذکر ہیں۔

یہ مملکت خداوند پاکستان کا فیض ہے کہ کراچی، حیدرآباد سکھر، بہاولپور، ملتان، لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، پشاور اور کوئٹہ میں ہر مکتب کے شعراءئے کرام نئے نئے سلام کہتے ہیں اور خوب سے خوب تر کہتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد سلام نگاری کے مختلف حوالوں میں امید افزا ترقی و ترویج کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں جدید رنگ، روایت کی بدولت مستقبل قریب میں سلام نگاری کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہونے والا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ماہر القادری: "کلیات ماہر القادری" القمر انٹر پرائز ز اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴، ص ۳۰

۲۔ ماہر القادری: "تجلیات" (ذکی کاکوروی) نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۳۷، ص ۱۲۶

۳۔ اطہر نفیس: (مضمون) "اطہر نفیس شخصیت اور فن" مشمولہ "پاکستان کرونیکل ورثہ" (مرتبہ) عقیل عباس جعفری، فضلی سنز کراچی، ۲۰۱۰، ص ۵۰۳

۴۔ اطہر نفیس: "نعت کائنات" (مرتبہ) راجا رشید محمود، جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۷۳، ص ۱۱۹

۵۔ سید وجیہ السیما عرفانی: (مضمون) "حالاتِ زندگی" مشمولہ "پاکستان کے نعت گو شعراء" (مرتبہ) سید محمد قاسم، حرا فاؤنڈیشن کراچی، ۲۰۰۷، ص ۳۸۱

۶۔ سید وجیہ السیما عرفانی: "نعت کائنات" (مرتبہ) راجا رشید محمود، جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۷۳، ص ۵۷۷

۷۔ اعظم چشتی: "کلیات اعظم چشتی" خزینہ علم وادب لاہور، ۱۹۸۴، ص ۶۲

۸۔ ایضاً، ص ۲۰۳

۹۔ محمد علی ظہوری: "کلیات ظہوری" خزینہ علم وادب اردو بازار لاہور، ۲۰۰۷، ص ۵۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۹

۱۱۔ ایضاً، ص ۵۹

۱۲۔ حافظ لدھیانوی: "نشید حضوری" ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور، ۱۹۷۹، ص ۱۲

۱۳۔ حافظ لدھیانوی: "صل علی النبی" شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ۱۹۹۰، ص ۱۴۸

۱۴۔ یونس کاظمی: "علامہ صائم زندہ ہے" کاظمی پبلی کیشنز راولپنڈی، ۲۰۱۲، ص ۲۱

۱۵۔ صائم چشتی: "کلیات صائم چشتی" (مرتبہ) محمد لطیف ساجد چشتی، چشتی کتب خانہ فیصل آباد، ۲۰۱۲، ص ۲۰۷

۱۶۔ ایضاً، ص ۴۱۴

۱۷۔ وحید الحسن ہاشمی: "العطش" الحبیب پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۹، ص ۸۵

۱۸۔ ڈاکٹر ناصر پرویز: "ناصر کاظمی حیات اور ادبی خدمات" اسلامک ونڈس بیورو امروہہ، ۲۰۱۶ ص ۲۲

۱۹۔ ناصر کاظمی: سلام، مشمولہ "ششماہی حسین پر سلام" (مرتبہ) سید علی رضوی، ۱۹۸۴، شمارہ ۲، ص ۲۳۹

۲۰۔ ڈاکٹر ریاض فاطمہ تشہیر: "علامہ نجم آفندی شخصیت اور فن" بوستانِ اشہر پبلی کیشنز پرانی حویلی، ۲۰۰۳، ص ۰۹

۲۱۔ سید نواز حسن زیدی: "نجم آفندی فکر و فن" الحسن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰، ص ۲۸۱

۲۲۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن: "باقیاتِ آلِ رضا" الحسن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰، ص ۴۲

۲۳۔ ایضاً، ص ۵۷

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۲۵۔ ڈاکٹر فضل امام: شاعر آخر الزماں جوش ملیح آبادی" موڈرن پبلی کیشنز نئی دہلی، ۱۹۸۲، ص ۱۲۰

۲۶۔ نسیم امروہوی: (مضمون) "نسیم امروہوی حالاتِ زندگی" مشمولہ پاکستان کرونیکل ورثہ" (مرتبہ) عقیل عباس جعفری، فضلی سنز کراچی، ۲۰۱۰، ص ۶۱۰

۲۷۔ نسیم امروہوی: "چشمہ غم" محفوظ بک ایجنسی کراچی، ۱۹۹۲، ص ۱۷۰

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۲۹۔ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی: "سرخی سلام" مکتبہ ناز کراچی، ۲۰۲۰، ص ۱۲۳

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۳

۳۱۔ ڈاکٹر شبیہ الحسن: "قیصر اقلیم سخن" المصطفیٰ پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۹

۳۲۔ ایضاً، ص ۲۵

۳۳۔ ایضاً، ص ۲۵۹

۳۴۔ غلام محمد قاصر: "کلیاتِ قاصر" المصطفیٰ پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۹، ص ۲۵

۳۵۔ ایضاً، ص ۵۱۲

باب چہارم

پاکستان میں سلام نگاری (۲۰۰۰ءسے تاحال)

باب چہارم

پاکستان میں سلام نگاری (۲۰۰۰ءسے تاحال)

زمانے آتے ہیں گزر جاتے ہیں۔ اس آنے جانے کے عمل کے نتیجہ میں تہذیبی بدلتی ہیں، معاشرہ میں تبدیلی آتی ہے اور زبان و ادب بھی تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ ہر آنے والا زمانہ عہدِ جدید کہلاتا ہے اور وہی آنے والا آج گزشتہ کل بن جاتا ہے تو اس پر قدامت پرستی کی مہر لگ جاتی ہے۔ ہر جدید عہد میں واقع ہونے والے تہذیبی معاشرتی اور ادبی اثرات کو قبول کرنا عقل کا تقاضا، وسعتِ فکر اور کشادہ دلی کی دلیل ہوتا ہے۔ مگر مشاہدہ، تجربہ، عقل اور ان تغیرات کا سنجیدہ مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ ہر قسم کا تغیر اور ہر طرح کی تبدیلی کسی بھی عہد میں اور کسی بھی زاویے فکر سے مکمل طور پہ درست نہیں سمجھی جا سکتی۔ موجودہ عہد میں لکھے جانے والے سلاموں میں قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے سلاموں کی خوشبو محسوس ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک مذہبی اور عقیدت مندی سے بھرپور شاعری ہے جس میں بڑی احتیاط کے ساتھ قلم اٹھایا جاتا ہے۔

گذشتہ ابواب میں قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے سلاموں پر تفصیلی بحث کی گئی۔ اب ہم ۲۰۰۰ عیسوی سے تاحال لکھے جانے والے سلاموں کا جائزہ لیں گے۔ اس عہد میں لکھنے والے سلام نگاروں کی تعداد کافی زیادہ ہے جنہیں تحقیقی کاوش میں شامل کیا گیا اور ہم ان کے سلاموں کا جائزہ لیں گے۔ جدید شعراء نے روایتی شاعری کا دامن پکڑ کر نئے اسلوب میں موضوعاتی تاثر کی بنیاد پر خوب سے خوب تر سلام لکھے جو کہ موجودہ دور سے تعلق رکھنے والے قارئین کے ذہنی رجحانات کے مطابق ہیں۔ تخلیق کار حضرات اس حوالے سے محتاط نظر آتے ہیں کہ کہیں سلاموں میں اُن کی ڈکشن اتنی مشکل بھی نہ ہو کہ اس میں کلاسیکی رنگ نظر آئے اور اشعار سمجھنے میں دقت محسوس ہو۔ علاوہ ازیں سلام نگاری میں ہمیں نمایاں تبدیلیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے سلام غزل کی ہئیت میں رثائی اصول اور نفسِ مضمون کے مطابق لکھے گئے جن کا محور و مرکز کربلا رہا۔ اسی عہد میں نعتیہ سلام لکھنے والے نعت گو شعراء نے جو سلام لکھے اس میں باقاعدہ طور پہ لفظِ سلام بارہا مستعمل ہوتا ہوا نظر آیا۔

نعتیہ سلام لکھنے والے نعت گو شاعر اسی انداز سے تاحال سلام لکھ رہے ہیں اس کے برعکس جو سلام شہداء کربلا کے حوالے سے لکھے جاتے ہیں ان کی ہئیت غزل سے مطابقت رکھتی ہے اور نفسِ مضمون بدلتا رہا جس میں سوز و گداز کی شدت اور محسوسات کو واقعہ کربلا کے تناظر میں نت نئے رنگوں سے بیان کیا جاتا تھا۔ موجودہ عہد میں شہداء کربلا پر اکثر ایسے سلام پڑھنے کو ملتے ہیں جس میں لفظِ سلام بارہا مستعمل ہوتا ہے اور لفظ سلام کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اگرچہ قدیم روایت سے متاثر شعراء کا بھی کافی اضافہ ہو رہا ہے لیکن جدید رنگ اور طرزِ بیان نے سلام نگاری کو نئے اسلوب اور انداز سے ہمکنار کیا ہے جسے بجا طور پر قدیم و جدید کا حسین امتزاجی رنگ کہا جا سکتا ہے۔ دورِ حاضر میں سلام خوانی کے مراکز بہت زیادہ متحرک ہیں جن

کے باعث سلام گو شعراء کو محافل و مجالس میں بلا کر ان سے تازہ کلام سنا جاتا ہے۔ ان محافلِ مسالمہ میں ہر مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد شریک ہوتے ہیں اور بار گاہِ محمد و آلِ محمد علیھم السّلام میں عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں کیونکہ حضرت محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اور ان کی آل کا ذکر ہی حرف وصوت کو آبرو بخشتا ہے اور یہ وہ پاکیزہ اور روحانی ہستیاں ہیں جن کی محبت سے شعور و فکر کی دولت مستعار لی جاتی ہے اور لفظوں کو سلامیہ انداز میں بیان کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب رسول اکرم کے طفیل لطفِ کرم سے نوازتا ہے۔ اس لیے اس عہد میں لکھے جانے والے سلاموں میں نئے لہجوں کی گونج سنائی دیتی ہے جس کے باوصف ایک باذوق قاری اپنی کائناتِ روح میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ان کی آلؑ سے شدتِ محبت کے وفور کو جذب کرتا ہے۔ آیئے اب اس عہد کے سلام نگاروں کے سلاموں کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں:

(الف) سلام بحضور سرورِ کونینؐ

حفیظ تائب (۱۹۳۳ء۔ ۲۰۰۴ء)

آپ کا اصل نام عبد الحفیظ ہے۔ قلمی نام حفیظ تائب والد کا نام حاجی چراغ دین تھا۔ مشہور نعت گو شاعر، مجدد نعت کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ حفیظ تائب ۱۴ فروری ۱۹۳۳ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۷۴ میں آپ نے جامعہ پنجاب سے ایم اے پنجابی کیا اور ۱۹۷۶ تا ۱۹۹۳ جامعہ پنجاب اور ئینٹل کالج میں تدریس کرتے رہے۔

ان کا شمار پاکستان میں نعت گوئی کو فروغ دینے والے بانی شعراء میں ہوتا ہے وہ اعلیٰ پائے کے محقق اور تنقید نگار کے طور پر ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ فروغ نعت کے لیے حکومتِ پاکستان نے ان کی خدمات کے اعتراف میں تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا اور متعدد ایوارڈ حاصل کیے۔ وہ جامعہ پنجاب میں شعبہ پنجابی میں بھی بطور پروفیسر خدمات انجام دیتے رہے۔ کینسر کے عارضے کی وجہ سے لاہور میں ۱۳ جون ۲۰۰۴ کو انتقال ہوا۔ (۱)

آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے محبت وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کی تمنا ہر مسلمان کی آرزو ہے۔ آپؐ کی ذات اقدس سے محبت اور عشق کی تڑپ شاعر کے دل میں وہ جذبے پیدا کر دیتی ہے جن سے رسمی اور روایتی انداز کے نعت گو شعراء کے قلوب عموماً کم ہی آشنا ہوتے ہیں۔ حفیظ تائب نے کمالِ عقیدت سے آپ ﷺ کی سیرت و کردار کو محبت اور عقیدت کے وفور سے سلام میں پیش کیا سلام میں اثر انگیزی کا سبب ہی شدتِ محبت کی والہانہ کیفیات کا اظہار ہوا کرتا ہے۔ ان کا ایک سلام ملاحظہ کیجیے:

خُلق جن کا ہے بہارِ زندگی ان پر سلام
نطق جن کا ہے مدارِ زندگی ان پر سلام
ہر گھڑی سانسوں کو مہکاتا ہے جن کا نام پاک
ہے ضمیروں میں بھی جن کی روشنی ان پر سلام

جن کا اسوہ حسن و خوبی کا اچھوتا شاہکار
وجہ قربِ حق ہے جن کی پیروی ان پر سلام(۲)

وہ شہنشاہ زمن جن کا خزانہ اعتماد
ہر زمانے کے لیے جو ہیں نبی ان پر سلام
جن کے دم سے ہے تسلسل کا عمل آفاق میں
جن کی خاطر گردش دوراں رکی ان پر سلام
جن کے مفتوحہ علاقے ہیں مکان و لامکاں
مہر و مہ کرتے ہیں جن کی چاکری ان پر سلام
فطرتِ معصوم کی ہر تازہ کاری ان کی نذر
بھیجتی ہے ساز دل کی نغمگی ان پر سلام(۳)

حنیف اسعدی (۱۹۱۹ء۔۲۰۰۵ء)

حنیف احمد اسعدی کا قلمی نام حنیف اسعدی ہے۔ آپ کے والد کا نام محمد صدیق حسن اسعد شاہجہانپوری ہے آپ کی پیدائش یکم جنوری ۱۹۱۹ کو بھارت (شاہ جہانپور) میں ہوئی۔ تقسیم ہند کے بعد اپنے خاندان کے ہمراہ کراچی میں قیام پذیر ہوئے اور یہی شہر آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ ایک ایسی نابغہ ءروزگار ہستی کی یاد بے چین کرتی ہے جسے دنیا نے بھلا دیا ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ خود بھی ایک گوشہ نشین، خوددار انسان تھے، اپنی زندگی میں بھی کبھی شہرت و خود نمائی کے طالب نہ رہے، ان کا حلقہ ءاحباب بھی محدود رہا، ساری زندگی اُردو ادب ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، والد بھی مشہور اور نامور شعراء میں سے تھے۔(۴)

علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل، پرانی وضع داریوں کا نمونہ، ہر صنف شاعری پر قدرت رکھنے والے بے مثل نعت گو محترم حنیف اسعدی جنہیں مرحوم لکھنے کا حوصلہ نہیں ہے۔

حنیف اسعدی پاکستان کے چند ایک گنے چُنے، معتبر اور مستند نعتیہ شعراءء میں سے ایک ہیں مگر افسوس کہ اپنی درویش صفتی کے سبب زیادہ مشہور نہ ہو سکے، ہر سال رمضان میں پی ٹی وی کا نعتیہ مشاعرہ ان کی شرکت کے بغیر نہیں ہوتا تھا، ان کی نعتوں کا مجموعہ "ذکرِ خیر الانام" کے نام سے شائع ہوا لیکن غزلوں اور نظموں کا ایک بڑا ذخیرہ تاحال شرمندہ اشاعت ہے۔

اگرچہ غزل نظم، قطعہ، رباعی، سلام، منقبت تقریباً ہر صنف سخن میں انہوں نے طبع آزمائی کی لیکن ایک نئی صنف سخن بھی ایجاد کی تھی جو جاپانی نظم "ہائیکو" کی طرح تین مصرعوں پر مشتمل ہوتی تھی، ان کی بڑی خواہش تھی کہ ان نظموں کا

مجموعہ شائع ہو جائے لیکن ان کا یہ خواب بھی پورا نہ ہو سکا، یقیناً یہ تمام ذخیرہ ان کے صاحب زادوں کے پاس محفوظ ہو گا ،اسعدی صاحب نے اس نئی صنف سخن کا نام "سہ مصریاں" رکھا تھا اور یہ بھی اہتمام کیا تھا کہ ان تین مصرعوں میں کوئی لفظ فارسی و عربی کا استعمال نہ ہو۔ ان کا سلام ملاحظہ کیجیے:

اے شہ ہست و بود
تم پہ لاکھوں درود
شاہِ خیر الانام
تم پہ لاکھوں سلام
مدحتِ خاص و عام
منتِ ہر غلام
عاجزانہ پیام
ذکر خیر الانام
سب درود و سلام
خود خدائے کرام
روز و شب صبح و شام
بھیجتا ہے مدام(۵)

تم پہ لاکھوں سلام
سیدِ نیک نام
ذوالمنن، ذوالکرم
ہر قدم اِک مقام
ہر نفس اِک پیام
مرجعِ خاص و عام
اے ذوی الاحترام
ایک ادنیٰ غلام
کر رہا ہے سلام
شاہِ خیر الانام(۶)

مظفر وارثی (۱۹۳۳ء۔۲۰۱۱ء)

مظفر وارثی (ولادت: ۲۰ دسمبر ۱۹۳۳ء - ۲۸ جنوری ۲۰۱۱ء) کا پیدائشی نام "محمد مظفر الدین احمد صدیقی" تھا۔ وہ برطانوی ہندوستان کے شہر میرٹھ (یو۔پی) میں صوفی شرف الدین احمد چشتی قادری سہروردی کے ہاں پیدا ہوئے۔ مظفر وارثی کا نام مظفر ہے۔ فاتح۔ وہ دنیائے سخن کے کئی ملک فتح کر چکے ہیں اور فتح و ظفر کا یہ سلسلہ ان کی وفات کے بعد تک بھی جاری ہے۔ ان کے مداحوں اور عقیدت مندوں کی تعداد گننا ناممکن ہے۔ وہ پچھلے پچاس برسوں سے عروسِ سخن کا بناؤ سنگھار کر رہے تھے۔ لکھتے اس لیے نہیں کہ وہ ایک لکھاری ہیں بلکہ اس لیے کہ ان پر آنے والی نجانے کتنی نسلوں اور صدیوں کی راہ نمائی کا قرض ہے۔ احسان دانش نے کہا تھا کہ اگلا زمانہ مظفر وارثی کا ہے۔ آپ کا اپنا ایک جداگانہ شعری نظام ہے جو آپ کو دیگر شعراء سے ممتاز کرتا ہے۔ علم و سخن اپنی ہر شکل، ہر صنف میں آپ کا اوڑھنا بچھونا بلکہ آپ کے وجود کا حصہ ہیں۔

صاحبِ طرز شاعر مظفر وارثی نعتیہ منظر نامے کے اہم نعت گو شاعر ہیں۔ انہوں نے نعتیہ شاعری کو کیف و مستی کی نئی طرز سے روشناس کرایا جس میں لفظ وجد کرتے نظر آتے ہیں۔ نعت سے متعلقہ شاید ہی کوئی ایسی سماعت ہو جس نے ان کے مشہور کلام "یارحمتہ اللعالمین" اور "رہاہے۔ مظفر وارثی کوئی تو ہے جو نظام ہستی نہ سن رکھیں ہوں۔ "مظفر وارثی" کو پرائیڈ آف پرفارمنس بھی ان کی نعتیہ خدمات کی وجہ سے ملا۔ مظفر وارثی کو رعشے کا مرض تھا۔ کافی عرصہ علیل رہنے کے بعد ۲۸ جنوری ۲۰۱۱ء کو ۷۷ برس کی عمر میں لاہور میں انتقال کر گئے۔ [۷]

آپ اردو شاعری کی تاریخ کا اہم ستون اور عہد حاضر میں اردو نعت کا انتہائی معتبر نام ہیں تاہم آپ نے ہر صنف شعر غزل، نظم، حمد، نعت و سلام، گیت، قطعات اور ہائیکو وغیرہ میں طبع آزمائی کی ہے۔ آپ کی شاعری اپنے منفرد اسلوب اور موضوعات کے تنوع کے باعث پیش منظر کے شاعروں کے لیے بڑا چیلنج ہے۔ اردو کے نامور شاعر جناب احسان دانش نے لکھا تھا، "نئی طرز کے لکھنے والوں میں جدید غزل کا معیار مظفر وارثی کی غزل سے قائم ہوتا ہے۔"

ان کی مشہور ترین حمد "اے خدا اے خدا" اور نعت "میرا پیمبر عظیم تر ہے" زبان زد عام ہے۔

اردو ادب کی تاریخ میں مظفر وارثی جتنے مستند اور معتبر نعت گو شاعر گردانے جاتے ہیں اس سے کہیں بڑے غزل گو شاعر ہیں۔ ان کی رگوں میں اسلام کا جذبہ اندر کرنٹ کی طرح دوڑتا دکھائی دیتاہے۔۔ انفرادی ہو یا اجتماعی زندگی انہوں نے ہر طرح خیر کا پرچار کیاہے اور دیانتدارانہ رائے میں وطن اور اہل وطن کو بہت کچھ دیاہے۔ انہوں نے آنحضور ﷺ کی ذات بابرکت پر جو سلام لکھا وہ پیش خدمت ہے:

رحمت دو جہاں پر سلام
شہد رکھے زباں پر سلام
اپنی آنکھوں سے لکھ رہا ہوں
آپ کے آستاں پر سلام

بھیجتی ہے سماعت مری
اس سراپا زباں پر سلام
جگمگائیں نشانِ قدم
جادہ جاوداں پر سلام(۸)

مظفر وارثی کا ایک اور نمونہ سلام دیکھیے گا:

سلام ان پر کہ جن کی ذات پر قرآن ہوا نازل
سلام ان پر فرشتے رفعتوں کے جن کی تھے قائل
سلام ان پر کہ جن کا نام کلمہ میں اذانوں میں
سلام ان پر خدا خود بھی ہے جن کے قدر دانوں میں
سلام ان پر لقب ہے رحمتہ اللعالمین جن کا
سلام ان پر پسند حق ہوا دین مبیں جن کا
سلام ان پر سنا نغمہ جنہوں نے ادنِ منی کا
سلام ان پر دیا مژدہ جنہوں نے فقر فخری کا
سلام ان پر جو پتھر پیٹ پر لاتے تھے فاقوں میں
سلام ان پر جو امت کے لیے روتے تھے غاروں میں
سلام ان پر جنہوں نے فقر میں بھی دولتیں بخشیں
سلام ان پر جنہوں نے اک نظر میں عظمتیں بخشیں
سلام ان پر محمد مصطفیٰ سب جن کو کہتے ہیں
سلام ان پر کہ جن کی یاد سے دلشاد رہتے ہیں
الٰہ العالمیں صدقہ تجھے ان سب سلاموں کا
مظفر کو بھی دیوانہ بنا دے نیک کاموں کا(۹)

مظفر وارثی نے انتہائی سادہ اسلوب میں قلبی واردات کے پیش نظر رسول ﷺ کی سیرت و کردار اور محاسن اخلاق کو سلام کے طور پر تلمیحاتی انداز میں بیان کیا۔

ادا جعفری (۱۹۲۴ء۔۲۰۱۵ء)

ادا جعفری اردو زبان کی معروف شاعرہ تھیں۔ آپ کی پیدائش ۲۲ گست ۱۹۲۴ء کو بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا خاندانی نام عزیز جہاں ہے۔ آپ تین سال کی تھیں کہ والد مولی بدر الحسن کا انتقال ہو گیا۔ جس کے بعد پرورش ننھیال میں

ہوئی۔ ادا جعفری نے تیرہ برس کی عمر میں ہی شاعری شروع کر دی تھی۔ وہ ادا بدایونی کے نام سے شعر کہتی تھیں۔ اس وقت ادبی رسالوں میں ان کا کلام شائع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ آپ کی شادی ۱۹۴۷ء میں نور الحسن جعفری سے انجام پائی شادی کے بعد ادا جعفری کے نام سے لکھنے لگیں۔ ادا جعفری عموماً اختر شیرانی اور اثر لکھنوی سے اصلاح لیتی رہی۔ ان کے شعری مجموعہ شہر درد کو ۱۹۶۸ء میں آدم جی ادبی انعام ملا۔ شاعری کے بہت سے مجموعہ جات کے علاوہ جو رہی سو بے خبری رہی کے نام سے اپنی خود نوشت سوانح عمری بھی ۱۹۹۵ء میں لکھی۔ ۱۹۹۱ء میں حکومت پاکستان نے ادبی خدمات کے اعتراف میں تمغہ امتیاز سے نوازا۔ وہ کراچی میں رہائش پذیر تھیں۔ (۱۰)

ادا جعفری موجودہ دور کی وہ شاعرہ ہیں جن کا شمار بہ اعتبار طویل مشق سخن اور ریاضت فن کے صف اول کی معتبر شاعرات میں ہوتا ہے۔ وہ کم و بیش پچاس سال سے شعر کہہ رہی ہیں۔ گاہے گاہے یا بطرز تفریح طبع نہیں بلکہ تواتر و کمال احتیاط کے ساتھ کہہ رہی ہیں۔ اور جو کچھ کہہ رہی ہیں شعور حیات اور دل آویزی فن کے سائے میں کہہ رہی ہیں۔ حرف و صوت کی شگفتگی اور فکر و خیال کی تازگی کے ساتھ کہہ رہی ہیں۔ فکر و جذبے کے اس ارتعاش کے ساتھ کہہ رہی ہیں جس کی بدولت آج سے تیس چالیس سال پہلے ان کا شعر پہچان لیا جاتا تھا۔ مختصر علالت کے بعد ۱۲ مارچ، ۲۰۱۵ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کا لکھا ہوا ایک سلام پیش خدمت ہے:

یہ حسن نوازش یہ اوجِ سعادت
یہ دل اور مجال سلام عقیدت
یہ سر اور دہلیز سرکار عالم
یہ جاں اور جمال حریم محبت
یہی آستاں، آستانِ تمنا
یہی رہ گزر ہے خیابان جنت
تیری یاد دل کو متاع گرامی
تیرا نام لب پر کمال عبادت
یہی حرف اول یہی حرف آخر
یہ تعبیر قرآں زبانِ صداقت
دلوں کو ہے کافی شہ دین و دنیا
تری اک نگاہ کرم کی معیت
یہ ناز نوازش، یہ شان عنایت
عطا ہو پھر اذن سلام عقیدت (۱۱)

ارشد صابری (وفات ۲۰۱۶ء)

ارشد صابری "میر خلیل الرحمٰن سوسائٹی کے چیئرمین تھے اس سوسائٹی کے زیر اہتمام نظریہ پاکستان، تحریک پاکستان اور اکابرین پاکستان کے حوالے سے گاہ بہ گاہ جلسوں کا انعقاد کرتے ہیں اور نئی نسل کو پاکستان کے بنیادی مقاصد سے آگاہ کرتے تھے۔(۱۲) نظریہ پاکستان سے محبت دراصل پاکستان سے محبت ہے، نظریہ پاکستان نظریہ اسلام ہی ہے۔ پاکستان سے محبت رسولؐ سے وابستگی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ ارشد صابری کی نعت گوئی، اسم محمد ﷺ سے عشق کا اظہار ہے۔ محمدؐ کی ردیف اور قافیہ میں میں ان کی کئی نعتیں موجود ہیں۔ اس اسم کی تکرار سے روح شاداب ہوتی ہے۔ ارشد صابری کے والدِ محترم تحریک پاکستان کے ایک سرگرم رہنما، صحافی، تحریک پاکستان کے قائد اور پاکستان بننے کے بعد استحکام پاکستان کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے والوں میں شامل تھے چنانچہ ارشد صابری نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی۔ صوفیانہ ادب اور ملّی تحریک سے وابستگی انہیں ورثے میں ملی ہے۔ قرآن حکیم کی قربت نے جو علمی وقار عطا کیا اس کی شہادت یہ یہ مجموعہ حمد و نعت ہے۔ ارشد صابری کی سلام گوئی "اسم محمدؐ" سے عشق کا اظہار ہے اسی لیے عاشقان رسول ﷺ نامِ محمدؐ میں اپنی عاقبت سنوارتے ہیں نظر آتے ہیں۔ ۲۱ پریل ۲۰۱۶ کو وفات پائی ان کا نعتیہ سلام دیکھیے گا:

اے حبیب کبریا لاکھوں سلام
اے امام الانبیا لاکھوں سلام
میرے دل کی ہے صدا لاکھوں سلام
اے نبی خیر الوریٰ لاکھوں سلام
میرے اک اک سانس کی ہے یہ صدا
یا محمد مصطفیٰؐ لاکھوں سلام
جامع اوصافِ اعلیٰ آپ ہیں
خوبیوں کی انتہا لاکھوں سلام(۱۳)

آپ جیسا متقی کوئی نہیں
اے جمالِ اتّقا لاکھوں سلام
آپ کی تعلیم کے خورشید سے
پھیلی عالم میں ضیا لاکھوں سلام
قلب و جاں کی میرے ارشد صابری
ہر نفس ہے، یہ نوا لاکھوں سلام(۱۴)

ریاض حسین چودھری (۱۹۴۱ء۔۲۰۱۷ء)

ریاض حسین چودھری ۸ نومبر ۱۹۴۱ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ "زر معتبر" ۱۹۹۵ میں طبع ہو کر منظر عام پر آیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ اس ۲۳ سالہ وقفے میں صرف اور صرف رسول اکرم ﷺ کی ہی مدح و ثنا میں سرگرم رہے۔ اب تک اُن کے ۱۴ نعتیہ مجموعے منظر عام پر آ کر مقبول عوام و خواص ہو چکے ہیں۔ ریاض حسینؒ چودھری صاحب نے نعت کو قدیم روایت سے نکال کر جدید رنگ و آہنگ، لفظ و معانی اور فکر سے ہمکنار کیا۔ کے بارہ نعتیہ مجموعوں میں سے تین مجموعے وزارتِ مذہبی امور حکومتِ پاکستان سے نعت گوئی کا سیرت ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ ۰۵ اگست ۲۰۱۷ کو طویل علالت کے بعد ہم سے رخصت ہو گئے۔[۱۵] ان کے سلاموں میں سادگی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ پڑھنے والا رقتِ قلبی کے ساتھ محوِ عبادت ہو جاتا ہے اور اپنے اندر سکون و طمانیت کا احساس جاگزیں کرتا ہے۔

ان کا سلام پیشِ خدمت ہے:

السّلام اے قائدِ جیشِ وفا
السّلام اے مہبطِ وحیِ خدا
السّلام اے تابشِ غارِ حرا
السّلام اے رونقِ بزمِ دعا
السّلام اے جادہ پیمائے سما
السّلام اے اوجِ برجِ ارتقاء
السّلام اے معنئ امن و بقا
السّلام اے سربراہِ انبیاء
امتِ مظلوم آئی ہے حضورؐ
آنسوؤں کے ہار لائی ہے حضورؐ
داستانِ غم سنانے آئی ہے
زخم اپنے سب دکھانے آئی ہے
امن کی خیرات بھی آقاؐ ملے
ہر برہنہ شاخ پر گلشن کھلے
السّلام اے ثروتِ اہلِ یقیں
السّلام اے حاملِ شرعِ مبیں
السّلام اے تاجدارِ مرسلیں

السّلام اے راحتِ قلبِ حزیں
السّلام اے نازشِ عرشِ بریں
السّلام اے زینتِ فرشِ زمیں
السّلام اے سرورِ دنیا و دیں
السّلام اے موجِ نورِ اوّلیں
ابرِ رحمت کو اشارہ کیجیے
اپنی امت کی خبر بھی لیجیے
یا رسول اللہ، ہم جائیں کدھر
لے کے اپنی چشمِ نم جائیں کدھر
روشنی جھولی میں آقاؐ ڈال دیں
حاضری کا اذن بھی ہر سال دیں
دہر میں امت کو پھر عزت ملے
اس کا ہر چاکِ گریباں بھی سلے
ہر طرف روشن ہو قندیلِ حرا
عہدِ حاضر میں بھی ہو سب کا بھلا
یا محمد مصطفیؐ! لطف و کرم
دست بستہ ہیں مرے لوح و قلم(۱۶)

ان کا دوسرا نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے:

اے قلم، میرے قلم، تیرے مقدر کو سلام
نعتِ پیغمبرؐ کے ہر حرفِ مصوّر کو سلام
اُنؐ کی عمر پاک کے ہر ایک لمحے پر درود
سرورِ عالمؐ کے انفاسِ معطر کو سلام
چشمِ تر میں جھلملاتی جالیوں پر جاں نثار
دل میں روشن گنبدِ خضرا کے منظر کو سلام
دامنِ صد چاک میں بھرتا ہے کرنوں کے گلاب
اُنؐ کی چوکھٹ پر ہجومِ ماہ و اختر کو سلام

یا نبیؐ، یا مصطفیٰؐ، یا مجتبیٰؐ، یا مرتضیٰؐ
آپؐ کے یاسیدی روئے منور کو سلام
ناخدائے کشتیِ عمرِ رواں بھی آپؐ ہیں
عشق کے ساگر کی امواجِ معنبر کو سلام
تاجِ شاہاں کے مقدر میں کہاں ان کی چمک
آپؐ کے نقشِ کفِ پا کے جواہر کو سلام
علم و عرفاں کی مئے خوش رنگ بٹتی ہے یہاں
تشنہ لب کرتے رہیں گے آپؐ کے در کو سلام
آنسوؤں کے پیرہن میں جو جلیں شام و سحر
سوختہ جاں اُن تمناؤں کے لشکر کو سلام
میرے احوالِ پریشاں پر نظر میرے حضورؐ
آپؐ کی رحمت کے بے پایاں سمندر کو سلام
یہ نوائے بے نوا ہے اے محمدؐ کے خدا
عمر بھر لکھتا رہوں اپنے پیمبرؐ کو سلام
اس قبیلے سے رہے نسبت مری قائم، ریاضؔ
ہادیٔ کون و مکاں کے ہر سخن ور کو سلام(۱۷)

امیر نواز امیر (۱۹۴۲ء۔۲۰۱۷ء)

آپ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۲ کو میانوالی شہر میں پیدا ہوئے اور ۲۲ ستمبر ۲۰۱۷ کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے ۱۹۵۹ میں میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول منٹگمری سے کیا پھر ایف اے اور بی اے گورنمنٹ جھنگ سے کیا۔ ۱۹۶۵ میں ایم اے اردو گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۶ میں پولیس میں اے ایس آئی بھرتی ہو گئے۔ راولپنڈی، جہلم، گجرات، گوجرانولہ، ملتان، بہاولنگر، جھنگ اور فیصل آباد میں ڈیوٹی سر انجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۱ میں ڈیوٹی کی سر انجام دہی کے لیے مشرقی پاکستان گئے اور سقوطِ مشرقی پاکستان کے وقت ۱۹۷۴ تک ہندوستان میں جنگی قیدی رہے۔ سال ۲۰۰۳ میں سپیشل برانچ گوجرانولہ ریجن میں بطور ایس ایس پی تعینات تھے۔ محکمہ پولیس سے ریٹائرڈ ہوئے۔ جوانی میں شاہین قلمی کے نام سے لکھتے رہے ان کی نگارشات "لیل و نہار" لاہور اور " قندیل" لاہور میں شائع ہوتی رہیں بعد میں امیر نواز امیر کے ادبی نام سے لکھتے رہے اور بعد میں فقیر مصطفیٰ امیر کے قلمی نام سے لکھتے رہے۔ ۱۹۹۹ سے صرف توصیفِ مصطفیٰ اپنائی۔ اب تک ان کے نعتیہ مجموعے: ۱۔ تو ہی چارسو ہو ۲۔ نعت کروں تحریر ۳۔ میں غلام آپ کا ۴۔ صدقے حضور کے ۵۔ منزلِ مراد ۶۔ میں ہوں

فقیرِ مصطفیٰ ۷۔ کاش ہو لب ہر درود پاک ۸۔ شہر جمال و نور شائع ہو چکے ہیں اور ا شہر جمال و نور ۲۔ آنسوؤں کا گلاب ۴۔ سدا ہو سامنے تیرا گنبدِ خضریٰ ۵۔ مجھے لے چلو مدینہ ۶۔ سب آپ کا کرم ہے ۷۔ زرِ توصیف ۸۔ میں اس نبی کا فقیر ہوں جو بے مثل و بے مثال ہے اور "جنت جس کے پاؤں تلے" اور "کھو گیا شب کی تیر گی میں" قریب الاشاعت ہیں۔ (۱۸) آپ ادبی تنظیم انجمن فقیر ان مصطفیٰ فیصل آباد کے بانی و صدر بھی ہیں جس کا بنیادی مقصد ترویج و توصیف مصطفیٰ اور سیرت مصطفیٰ ہے اسی سلسلے میں اپنی رہائش گاہ "اعوان نعت محل" اسلام چوک غلام محمد آباد فیصل آباد میں ہر انگریزی ماہ کی آخری تاریخ کو نماز مغرب کے بعد باقاعدگی سے مسلسل جولائی ۲۰۰۳ سے نعتیہ ماہانہ مشاعرہ منعقد کرواتے رہے اور یہ سلسلہ ان کی وفات کے بعد بھی تسلسل سے جاری ہے۔ ہر ماہ وطن عزیز کے نامور نعت گو شعراء کرام کو انجمن فقیرانِ مصطفیٰ نعت ایوارڈ اور فروغِ مدحت ایوارڈ دیے جاتے ہے۔ ان کا نمونہ سلام دیکھیے گا:

مرکزِ کون و مکاں ہے یا محمد السلام
آپ مقصودِ جہاں ہیں یا محمد السلام
محترم اک ذات جس پر ہو گئے ہیں سب نثار
یہ زمیں اور آسماں ہیں یا محمد السلام
ہر شکستہ دل کی ہر دم آپ غمخواری کریں
راحتِ ہر جسم و جاں ہیں یا محمد السلام
ذاتِ باری کی عطا ہے خوب تر انعام ہے
سب سے بڑھ کر مہرباں ہیں یا محمد السلام
اعلیٰ و ارفع ہے رتبہ بے مثال و بے نظیر
اپنے رب کے ترجماں ہیں یا محمد السلام
ہمکلامی میزبانی کا شرف پایا امیر
ذات حق کے رازداں ہیں یا محمد السلام (۱۹)

ان کا دوسرا نمونہ سلام دیکھیے گا:

السلام اے دلوں کی صدا السلام
السلام اے نوید و ندا السلام
السلام اے شاہِ امم السلام
السلام اے لوح و قلم السلام
السلام اے تجھ پر درود السلام

السلام اے مبارک وجود السلام
السلام اے جانِ صبا السلام
السلام اے کہ روحِ وفا السلام[۲۰]

علامہ ابو الامتیاز مسلم (۱۹۲۲ء۔۲۰۱۷)

دنیائے علم او ادب کے عظیم مفکر و محقق جن کا اصل نام عبد الستار اور کنیت ابو الامیتاز تھی، انہیں دنیائے علم و ادب "ابو الامتیاز مسلم" کے نام سے جانتی اور پہنچانتی ہے۔۸اپریل ۱۹۲۲ کو پیدا ہونے والے عبد الستار ۵ مئی ۲۰۱۷ء کی شب اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر ۹۵برس تھی۔

عبد الستار مسلم نے لکھنے کا سلسلہ تو اوائل عمری میں ہی شروع کر دیا تھا۔ ان کے مضامین اس وقت کے اخبارات و رسائل ہر موضوع پر شائع ہوتے رہے۔ جبکہ ۱۹۶۰ء میں انہوں نے ماہ نامہ "نیاراہی" جاری کیا جس کے ایڈیٹر وہ خود تھے۔ ع س مسلم بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھی بھی رہے ہیں ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۷تک ع س مسلم کو نہ صرف قائد اعظم کو بار بار قریب سے دیکھنے کو موقع ملا بلکہ ان کے قدموں میں بیٹھنے، انہیں سننے اور ان کی محفل میں نظم پڑھنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ قیام پاکستان کے وقت عبد الستار مسلم جو اس سال تھے لہٰذا انہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور عملاً کام بھی کیا۔ عبد الستار مسلم ایک تعلیم یافتہ شخصیت تھے انھوں نے ۱۹۶۰ء میں کراچی یونیورسٹی سے معاشیات میں بی اے کی سند حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں ان کی پہلی کتاب افسانوں کا مجموعہ "ایک ٹہنی کے پھول" اشاعت پذیر ہوئی۔ غزلوں اور نظموں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں تاہم "حمد و نعت" میں انہیں خاص مقام حاصل رہا۔[۲۱]

ع س مسلم پر اب تک چار لوگ PHD ۲۰۱۲ء سے جامعہ الازہر، قاہرہ میں یونیورسٹی سطح پر "ع س مسلم" بطور مضمون پڑھایا جاتا ہے۔ "زبور نعت" "واگاں میں ول موڑ" اور اسماء النبی ﷺ پیراہن شعر میں لکھنے پر تین بار صدارتی ایوارڈ بھی مل چکا ہے جبکہ دیگر تصانیف پر متعدد بار اول انعامات اور ایوارڈ ز بھی مل چکے ہیں۔

علامہ ابو الامتیاز مسلم مرحوم دبئی متحدہ عرب امارات میں ہی موجود تھے اور ان کا انتقال بھی یہیں ہوا جبکہ تدفین کے لیے ان کے جسد خاکی کو کراچی پہنچایا گیا، جہاں انہیں ان کے عزیز و اقارب اور بے شمار چاہنے والوں کی موجودگی میں ان کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

حمد و نعت نعت کا سب سے موثر روح پرور اور جان نواز حصہ وہ ہے کہ جس میں مسلم صاحب نے والہانہ عقیدت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعری نہیں الہام ہے اس کی مثالیں بے شمار ہیں طوالت کا خوف دامن گیر ہے مگر مثالیں پیش کیے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا:

السلام اے صاحبِ اذن شفاعت السلام
السلام خاتمے وحی و نبوت السلام

السلام اے شمع تابانِ ہدایت السلام
نور سے تیرے مٹے سب کفر و ظلمت السلام
حسن کا ہے تیرے ہی اعجاز یہ بزمِ وجود
باعثِ تخلیقِ عالم راز خلقت، السلام
ابتداء بھی اس کی تجھ سے انتہا بھی ہے تو ہی
تو بنائے بزم امکاں، تو نہایت السلام
صاحب لولاک تُو ہی تو ہی روح کائنات[۲۲]

زندگی کے جسم میں تجھ سے حرارت السلام
یا نبی محدود ہوں الفاظ میں تیری صفات
یا نبی ہرگز نہیں میری یہ جُرات السلام
ہے محبت مہر و الفت تیری سنت السلام
دور ہو اب قلب مسلم کی بھی وحشت، السلام[۲۳]

ان کا ایک اور سلام جو زبان زد عام و خاص ہوا کرتا ہے ملاحظہ کیجیے:

یا نبی سلامُ علیک
یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک
صلوٰات اللہ علیک
مظہر شان خدا ہو
سرور ہر دوسرا ہو
رہبر دین ھدیٰ ہو
تم امام انبیاء ہوا[۲۴]

یا نبی سلامُ علیک
یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک
صلوٰات اللہ علیک
صادق و صدق و امیں ہو
والی دنیا و دیں ہو
تم شفیع المذنبیں ہو
رحمت للعالمیں ہو
یا نبی سلامُ علیک
یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک
صلوٰات اللہ علیک(۲۵)

اعجاز رحمانی(۱۹۳۶ء۔۲۰۱۹ء)

اعجاز رحمانی (پیدائش: ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء وفات: ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۹ء) پاکستان سے تعلق رکھنے والے اردو زبان کے نامور شاعر اور نعت خواں تھے۔ اعجاز رحمانی ۱۲ فروری ۱۹۳۶ء کو ہندوستان کے مشہور شہر علی گڑھ کے محلّہ اسرا میں سید ایوب علی کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کا مکمل نام سید اعجاز علی رحمانی تھا۔ دینی تعلیم علی گڑھ ہی میں حاصل کی۔ وہ ۱۹۵۴ء میں پاکستان منتقل ہو گئے۔ آرٹس کونسل آف پاکستان کراچی کے ارکان رہے۔ پہلی نعت ۱۹۵۵ء میں لکھی۔ نعت خواں بھی تھے۔ پروفیسر منظر ایوبی نے کہا ہے کہ اعجاز رحمانی کی شاعری اصلاح معاشرہ اور تبلیغ دین سے مزین ہے، تبلیغ دین کا جذبہ ان کی رگ رگ میں بسا ہوا ہے، شخصیتی پہلو دیکھا جائے تو انہوں نے ہر دور میں مختلف موضوعات پر زمانے کے اعتبار سے اخلاص کے ساتھ شعر و شاعری کا کام کیا، عظمت کے مینار اور خلفائے راشدین کے کردار اور کارناموں کو نہایت ہی خوبصورتی اور کمال کے ساتھ شاعری میں پیش کیا۔

کلیاتِ نعت ''اعجاز رحمانی کے پانچ نعتیہ مجموعہ ہائے کلام پر مشتمل ہے۔ ۱۱۸۴ صفحات ہیں۔ مئی ۲۰۱۰ء میں شائع ہوئی۔ اعجاز رحمانی کا نعتیہ سلام اپنے اندر جذب و فکر اور محسوسات و مشاہدات کا تنوع رکھتا ہے۔(۲۶) ان کے یہاں مضامین و افکار کا ایک غیر مختتم سلسلہ ہے جو خوبصورت اور دلکش بیان میں ڈھل کر اعجازِ فن بن جاتا ہے۔ ان کا نعتیہ سلام ملاحظہ کیجیے:

جدا جو لب سے درود و سلام ہو جائے
ذرا سی دیر میں جینا حرام ہو جائے
زہے نصیب جو میرا یہ کام ہو جائے
نصیب کوچہ شاہِ انام ہو جائے
فروغِ علم سے ہو جائے یہ جہاں جنت
اگر حضور کا رائج نظام ہو جائے(۲۷)

گستاخ بخاری(۱۹۵۰ء-۲۰۲۰ء)

اصل نام منیر حسین شاہ تھا۔ ادبی دنیا میں "گستاخ بخاری" کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ شعبہ طب سے ان کا تعلق تھا۔ گستاخ بخاری ۲۱ نے جنوری ۱۹۵۰ء میں واصو آستانہ تحصیل اٹھارہ ہزاری ضلع جھنگ میں آنکھ کھولی۔ ۱۴ دسمبر ۲۰۲۰ بروز سوموار بعمر ۷۰ برس بعارضہ قلب وفات پا گئے۔ ان کا تعلق سادات گھرانے سے تھا۔ گستاخ بخاری کے والد محترم دلدار حسین بھی طب کے شعبہ سے وابستہ تھے۔ گستاخ بخاری نے ۱۹۶۶ء میں میٹرک، ۱۹۶۸ء میں ایف ایس سی اور ۱۹۷۰ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ گستاخ بخاری جب دسویں جماعت میں تھے کہ غزل کہنا شروع کی، اور سکول میں ہونے والے مقابلہ میں حصہ لیا تو پہلی پوزیشن لی۔ شاعری میں انہوں نے کسی سے اصلاح نہیں لی بلکہ ان کے نزدیک شاعری خداداد صلاحیت ہے۔ غالب اقبال اور میر کی شاعری سے متاثر ہوئے۔

کچھ عرصہ جھنگ رہے تو بعد ازاں قصبہ اٹھارہ ہزاری منیر آباد آ گئے۔۔ اردو غزل کے ساتھ ساتھ، حمدیہ، نعتیہ اور سلام پر بھی طبع آزمائی کی تو بے شمارہ نعتیہ، حمدیہ اور سلام جیسے عنوان پر کلام لکھا۔ گستاخ بخاری ادبی حلقہ سے بھی وابستہ رہے۔ وہ جھنگ کے ادبی حلقوں میں ایک خاص شہرت رکھتے تھے۔ ڈاکٹر عمران ظفر، محسن گھیانہ، عامر عبداللہ اور دیگر شعراءء کے ساتھ اتوار کے روز ادبی پروگرام کرتے۔ مرحوم "اردو اکیڈمی جھنگ" کے سرپرست فرائض انجام دے رہے تھے۔ گستاخ بخاری نے کم وقت میں اس قدر شہرت ان کے دیوان کی شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔ ان کا کلام مختلف ادبی رسائل میں شائع ہوتا رہا۔ کئی مشاعروں میں صدارت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ جدید اردو شاعری میں گستاخ بخاری اپنے منفرد اسلوب کی وجہ سے الگ مقام رکھتے ہیں، ان کا شمار روش عام سے ہٹ کر چلنے والوں میں ہوتا ہے۔ گستاخ بخاری کے کلام میں عجم کا حسن کے ساتھ ساتھ مذہب سے عقیدت کا اظہار بھی ملتا ہے۔ گستاخ بخاری کے ہاں جہاں خدا سے محبت ملتی ہے وہی سچے عاشق رسولؐ کے طور پر بھی سامنے آتے ہیں۔۔ گستاخ بخاری کے کلام میں اہلبیتؑ کا عشق بجا طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ گستاخ بخاری کے گھر کا ماحول اور بچپن کی تربیت نے انہیں مذہبی دھارے کی طرف موڑ دیا تھا۔ گستاخ بخاری نے تفسیر لاالہ (حمدیہ دیوان)، صدق صمیم (حمدیہ دیوان)، تحمید کردگار (حمدیہ دیوان)، اسلوب بقا (غزلیہ دیوان)، سلام اے فاطمہ کے لعل (سلام)، سلک غزل (غزلیہ دیوان)،، گرداب گماں (غزلیہ دیوان)،، سانوں کے بعد (غزلیہ دیوان)، مدح ممدوح

خدا(نعتیہ دیوان)، صلو علی الحسین (نعتیہ دیوان)،، طواف ذات (غزلیہ دیوان)، صلو علی الرسول (نعتیہ دیوان)، جیسے اہم موضوعات کلام لکھ کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ گستاخ بخاری لفظ "گستاخ" کو غلام کے معنی میں لیتے ہیں اور یہاں وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ میں گستاخ ہوں، مگر ترا صدقہ ہی میرے لیے باعث شرف اور رحمت ہے۔ آپ کی رحمت ہی سے میرے دل میں سکون ہے۔۔ نبی کریم ﷺ کے عشق میں وہ گڑگڑاتے ہیں اور اپنی محبت کا ثبوت وہ کلام کے ذریعے دے رہے ہیں۔[۲۸]

گستاخ بخاری کا بنیادی وصف نعت نگاری ہے ان کے ہاں نبی کریم ﷺ سے عشق و محبت اور دلی لگاؤ کے ساتھ ہی خود آگہی اور روحانی قلب کی طہارت کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں سرکار دوعالم صلی علیہ وآلہ سلم کی محبتوں اور عقیدتوں کا کبھی نہ ختم ہونے والا خزانہ ہے انہوں نے اپنے نعتیہ شعروں میں کتابِ ہدایت کا قرینے سے استفادہ کیا ہے۔ کہیں کہیں وجدانی کیفیت بھی پیدا ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی شاعری کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے قاری کو نعت نبی ﷺ کے حوالے سے عقیدت کے ساتھ اطاعت کے دائرے میں لانے کی شعوری و دانستہ کوشش کی ہے۔ ان کا نمونہ سلام دیکھیے گا:

بھیجتا ہے جو کردگار سلام نام
کیسا ہو گا وہ شاندار سلام
تجھ پر لاکھوں درود ہر ہر پل
تجھ پہ اک اک نفس ہزار سلام
صرف یزداں شمار کر پائے
تجھ تک آئیں جو بے شمار سلام
خود خدا اور سب ملائک بھی
کرتے رہتے ہیں تجھ سے پیار سلام
خوشبوؤں کے سرور سے لبریز
ہے محمد کا افتخار سلام
جیسے میں سامنے ہوں روضے کے
مجھ کو دیتا ہے یوں قرار سلام
یا نبی آپ کی محبت ہے
میں جو پڑھتا ہوں بار بار سلام
یہ ہے افضل ہر اک عبادت سے

روح رکھتا ہے خوش گوار سلام
تُو بھی گستاخ اپنی کر اصلاح
بہرِ بخشش کر اختیار سلام[۲۹]

آثم فردوسی

آثم فردوسی پیشے کے اعتبار سے قانون دان ہیں۔ آثم فردوسی ان چند خوش نصیب اہل قلم میں سے ہیں جنھوں نے مجموعہ ہائے نعت ترتیب دیے ہیں میں نے ان کے نعتیہ کلام کا بغور مطالعہ کیا مجھے ہر قطعہ کے ہر حرف سے اپنی دل کی دھڑکن سنائی دی۔ اور یقینِ واثق ہے کہ ہر قاری بھی یہی محسوس کرے گا۔ اسم فردوسی سے قبل بھی دودھ نعتیہ مجموعہ "مہمانِ معلی" اور عرشِ رسا کی شکل میں منظرِ عام پر لا چکے ہیں اور عوام وخاص سے دادع تحسین وصول کر چکے ہیں۔[۳۰] آثم فردوسی اس وقت عمر کے اس حصے میں ہیں جس میں پختگی اور بلند خیالی دست بستہ خدمت میں حاضر رہتی ہے اسی لیے ان کے معیار کلام پر کچھ کہنا مناسب نہیں لگتا۔ قطعات میں ان کا نمونہ سلام دیکھیے گا:

درود پڑھنے میں لطف آیا، سلام پڑھنے میں لطف آیا
سجی جو نعتِ نبی کی محفل، حضور کو بھی قریب پایا
حضور تشریف خود بھی لاتے ہیں اپنے پیاروں کی محفلوں میں
حضور رکھتے ہیں خادموں پر ہمیشہ اپنے کرم کا سایہ[۳۱]

دوسرا قطعہ ملاحظہ کیجیے گا:

درِنبی پڑھوں میں جاکر درود لاکھوں سلام لاکھوں
ردائے دل پر لکھوں میں جاکر، درود لاکھوں سلام لاکھوں
اگر اجازت ملے تو آقا کے در پہ جا کر بصد عقیدت
کروں کسی روز پیش جا کر درود لاکھوں سلام لاکھوں[۳۲]

لاکھوں درود اور کروڑوں سلام ہوں
جتنے بھی ہوں تمام محمد کے نام ہوں
یا رب میری دعا ہے کہ اٹھوں جو روز حشر
آنکھیں کھلی تو سامنے خیر الانام ہوں[۳۳]

حافظ محمد عبدالجلیل(پیدائش۱۹۵۸ء)

حافظ محمد عبدالجلیل، ایم-اے اسلامیات،اردو، تاریخ،بی۔ایڈ ،ریٹائرڈ گورنمنٹ آفیسر(پاکستان ریلوے (گریڈ-۱۶)

کوہاٹ لاء کالج کوہاٹ، سرسید کالج آف ایجوکیشن اور الخیر یونیورسٹی میں بطور وزٹینگ فیکلٹی تدریس کے فرائض انجام دیے۔ریڈیوپاکستان میں بطور ریسورس پرسن خدمات انجام دیں۔

"مہکار مدینے کی" نعتیہ مجموعہ طبع ہوچکا ہے جبکہ دوسرا نعتیہ مجموعہ زیر ترتیب ہے۔ محترم خالد محمود خالد رح کے نعتیہ مجموعہ،"سیل تجلیات " پر، محترم ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان کے مجموعہ نعت " نعت دریچہ " پر اور محترم پروفیسر محمد اسلم فیضی صاحب کے نعتیہ مجموعہ " سحاب رحمت " پر اور محترم ایوب صابر مرحوم کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے مضامین لکھے۔ہفت روزہ عقاب کوہاٹ اور سہ ماہی عدنان کوہاٹ میں مضامین چھپتے ہیں۔کوہاٹ،پشاور اور فتح جنگ(اٹک) میں مشاعروں میں حصہ لیا۔ تین دہائیوں سے زائد عرصے سے خطابت کے شعبے سے وابستہ ہوں۔[۳۴]

ان کا نعتیہ سلام پیشِ خدمت ہے:

بے سہاروں کے سارے مصطفیٰ کو ہو سلام
رحمت عالم حبیب کبریا کو ہو سلام
حیدر و حسنین و زہرا آئے جس چادر تلے
المزمل شان والی اس ردا کو ہو سلام
جن کی عظمت کا بیاں ہے آیہء تطہیر میں
اہلِ بیتِ پاک کی شانِ عُلیٰ کو ہو سلام
جس کا چہرہ دیکھنا بھی ہے عبادت وہ علی
مرتضیٰ، مشکل کشا، شیر خدا کو ہو سلام
تیری آمد پر ہوئے سر خم سبھی کے حشر میں
نورِ چشمِ مصطفی تیری حیا کو ہو سلام[۳۵]

جس کی دلجوئی کی خاطر ہوگیا سجدہ طویل
راکب دوش نبی تیری ذکاء کو ہو سلام
تا دم آخر رہا تجھ کو پیاسوں کا خیال
اے علمدارِ وفا تیری وفا کو ہو سلام

اکبر و اصغر کی لاشیں دیکھ کر بھیگی نہ آنکھ
کربلا میں صبر کی اس انتہا کو ہو سلام
دیں بچانے کے لیے جب کردیا کنبہ نثار
منبعِ جودو سخا تیری سخا کو ہو سلام
زیر خنجر کی ادا شبیر نے ایسی نماز
سب عدو کہنے لگے حسنِ ادا کو ہو سلام
مصطفیٰ کی آل کا جو درد رکھتے ہیں جلیل
تا قیامت ان غلاموں کی وفا کو ہو سلام(۳۶)

صبیح رحمانی (پیدائش ۱۹۶۵ء)

خوش گلو وخوش آہنگ نعت خواں، نعت گو، ناقد اور محقق سید صبیح الدین صبیح رحمانی ۲۷ جون ۱۹۶۵ء بروز اتوار کراچی میں سید اسحاق الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ لکھنا شروع کیا تو قلمی نام صبیح رحمانی اختیار کیا۔ ڈاکٹر شہزاد احمد آپ کے بارے لکھتے ہیں:

صبیح رحمانی نعت گوئی کے دبستان میں وہ خوش نصیب شاعر ہیں کہ جن کی کہی نعتوں کو اُن کے سامنے ہی شہرتِ دوام حاصل ہو چکی ہے۔ ان کے نعت کہنے کا انداز اور نعت پڑھنے کا سلیقہ دونوں سننے والے کو متاثر کرتے ہیں۔ وہ نعت کہنے کی حقیقی روح سے واقف ہیں۔ ان کے قلب کی دھڑکنیں جب شعری جامے میں ڈھل کر سماعت گوش ہوتی ہیں تو قاری کے قلوب واذہان میں بھی ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ وہ صرف نعت سنتا ہی نہیں بلکہ نعت کے دوامی کیف وسرور کو بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ قلم کی اس دھنک رنگ اور اس قلبی پکار میں صبیح رحمانی کا وجود بھی شامل ہے۔ وہ صرف نعتوں کو قرطاس پر نہیں اُتارتے بلکہ وہ لوگوں کے قلوب میں نعتوں کے سرمائے کو منتقل کر دیتے ہیں۔ اب یہ نعت صرف ایک فرد کی نہیں بلکہ اُمت کی فریاد بن جاتی ہے۔ صبیح رحمانی کی اکثر نعتیں اُمت کی فریاد اور قلبی کیفیات کے طور پر نہ صرف معروف ہیں بلکہ زبان زد خلائق ہیں۔(۳۷)

ان کے نعتیہ کلام کا سوزوگداز ہمیں در محبوب عالی تک لے جاتا ہے اور چشم تصور کے سامنے روضے کی جالیوں کا منظر روشن ہوتا ہے۔ سید صبیح رحمانی جیسے سچے نعت گو اور نعت خواں کا ایمان ہے کہ دنیا کے مصائب و آلام سے نکالنے اور کڑی دھوپ سے بچانے کے لیے صرف اور صرف مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کملی کا سایہ ہی کافی ہے۔ یہ ایک سچے عاشق رسول ﷺ کی قلبی کیفیات ہیں جو دل سے دنیاجہان کے دکھوں اور غموں کو مٹا کر طیبہ نگر کی طرف محو سفر ہیں۔

فروغ نعت کے سلسلے میں سید صبیح رحمانی نے نعت ریسرچ سنٹر کراچی کے زیر اہتمام نعتیہ کلام اور نعت کے موضوعات پر تحقیقی و تنقیدی کتب کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے۔ ''نعت رنگ'' کی صورت میں نہایت عمدہ اور

معیاری جریدے کے سفر کی ایک طویل داستان بھی صبیح رحمانی کی نعتیہ خدمات کا اہم حصہ ہے۔ وہ نعت پر تنقیدی و تحقیقی حوالوں سے کام کرنے والے سکالرز کی بھرپور رہنمائی، حوصلہ افزائی اور مدد کو اپنا اولین فریضہ گردانتے ہیں کیوں کہ انھیں اس امر کا ادراک ہے کہ نعت کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ دیگر اصناف کے مطالعے سے خاصا مختلف ہے۔ صبیح رحمانی کا نعتیہ سلام ملاحظہ کیجیے:

مخزنِ آیات قرآں الصلوٰۃ والسلام
شانِ والا شانِ رحماں الصلوٰۃ والسلام
ایک اِک دھڑکن پہ سو سو رحمتوں کا ہو نزول
دل سے دھرائے جو انساں الصلوٰۃ والسلام
اہلِ ایماں کے لیے اہل عقیدت کے لیے
آفتابِ علم و عرفاں الصلوٰۃ والسلام
غنچہ و گل کی چمن میں کچھ حقیقت ہی نہیں
کہتا ہے جوشِ بہاراں الصلوٰۃ والسلام
رحمتیں منہ چوم لیتی ہیں خود اسکا دوڑ کر
جو کہئے اے شاہِ شاہاں الصلوٰۃ والسلام
جب کہیں کچھ بھی نہ ہو گا ذاتِ واحد کے سوا
خود بخود ہو گا نمایاں الصلوٰۃ والسلام
بزمِ ہستی میں اتر آئیں فرشتوں کی صفیں
واقعی ہی جانِ جاناں الصلوٰۃ والسلام
کربلا میں کہہ رہا تھا ہر ملک رو کر صبیح
شاہدِ شاہِ شہیداں الصلوٰۃ والسلام[۳۸]

ان کا دوسرا اسلام پیشِ خدمت ہے:

حضور ایسا کوئی انتظام ہو جائے
سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے
نظر سے چوم لوں اک بار سبز گنبد کو
بلا سے پھر میری دنیا میں شام ہو جائے
تجلیات سے بھر لوں میں کاسہء دل و جاں

کبھی جو ان کی گلی میں قیام ہو جائے
حضور آپ جو چاہیں تو کچھ نہیں ممکن
سمٹ کے فاصلہ یہ چند گام ہو جائے
حضور آپ جو سن لیں تو بات بن جائے
حضور آپ جو کہہ دیں تو کام ہو جائے
ملے مجھے بھی زبانِ بوصیری و جامی
مرا کلام بھی مقبولِ عام ہو جائے
مزا تو جب ہے فرشتے یہ قبر میں کہہ دیں
صبیح! مدحتِ خیر الانام ہو جائے(۳۹)

پروفیسر ریاض قادری (پیدائش ۱۹۶۵ء)

ریاض احمد قادری ۰۶ مئی ۱۹۶۵ بروز جمعرات غلام نبی قادری کے ہاں فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ والدہ ماجدہ کا نام حمیدہ بی بی تھا۔ ان کے والد صاحب اردو عربی اور پنجابی کے علامہ تھے۔ آپ نے ۱۹۸۳ میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۸۵ میں بی اے کیا۔ پھر پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ جہاں سے ۱۹۸۹ میں ایم اے انگریزی کیا۔ ۱۹۹۰ میں ایم اے اردو اور بی ایڈ کے امتحانات پاس کیے۔ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے عربی ڈپلومہ اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم اے ٹیفل۔ ۱۹۹۰ سے محکمہ تعلیم میں سروس کر رہے ہیں۔ ۲۰۱۵ میں رفاہ یونیورسٹی اسلام آباد کے فیصل آباد کیمپس سے انگریزی ادب میں ایم فل کیا اور اس وقت گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج سمن آباد فیصل آباد میں شعبہ انگریزی کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ یہاں وہ ادبی تقریبات کے انچارج اور کالج میگزین "القمر" کے ایڈیٹر ہیں۔ اب تک چھ کتابیں نکہت نعت، تصور سبز گنبد دا، کلیاں چاند ستارے، ہمارے قائد اعظم، سلام اے شاعر مشرق اور عقیدت دے پھل شائع ہو چکی ہیں۔ زر مدحت، زر عقیدت، اور زر نعت کے نام سے تین نعتیہ انتخاب بھی شائع کر چکے ہیں۔ آپ قومی سیرت ایوارڈ ۲۰۰۳ وصوبائی سیرت ایوارڈ ۲۰۰۳ کے علاوہ ۱۰۰ سے زائد ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔(۴۰) اردو اور پنجابی میں یکساں مہارت رکھتے ہیں۔ شاعری کے ساتھ ساتھ تنقید میں بھی ممتاز مقام حاصل کر چکے ہیں۔ فیصل آباد میں اردو نعت کے حوالے سے نہایت متحرک نظر آتے ہیں ترویجِ نعت کے سلسلے میں معاصر نعت گو شعراء کے ساتھ بہت سی نعتیہ محافل میں دیکھے جاتے ہیں اور نعتیہ مشاعروں کو منعقد کروانے میں بھی پیش پیش رہتے ہیں اسی طرح وہ نعتیہ محافل میں نمایاں مقام رکھتے ہیں اور وطنِ عزیز سے تعلق رکھنے والے نعت گو شعراء کو فیصل آباد کی سرزمین میں نعت کے مشاعروں میں مدعو بھی کیا کرتے ہیں ڈاکٹر ریاض مجید صاحب اور پروفیسر ریاض قادری کی کاوشات کے سبب ہی فیصل آباد کی سرزمین نعت کے لیے زرخیز ہے جس کے سبب اسے شہرِ نعت کہا جاتا ہے۔ ان کا نمونہ سلام پیشِ خدمت ہے:

سلام اس پر کہ انسانوں کو عزت بخش دی جس نے
سلام اس پر کہ بے درماں کو راحت بخش دی جس نے
سلام اس پر عطا کی جس نے ہے ایمان کی دولت
جو بے توقیر تھے ان سب کو عظمت بخش دی جس نے
اٹھایا قعرِ ذلت سے بٹھایا عرشِ عزت پر
جہاں میں کانپتے قدموں کو طاقت بخش دی جس نے
سلام اس پر کہ دے کر معرفت اپنی نبوت کی
خدائے واحد و مطلق کی وحدت بخش دی جس نے
سلام اس پر جہاں میں ہر دلِ مایوس کو یارو(۴۱)

امید و بیم کی تازہ مسرت بخش دی جس نے
سلام اس پر شبِ ہجرت بوقتِ رخصتِ مکہ
علی شیر خدا کو ہر امانت بخش دی جس نے
سلام اُس پر کہ اُس کی اکملیت کربلا تک ہے
وہ شاہد ہے نواسوں کو شہادت بخش دی جس نے
سلام اس پر حضورِ داورِ محشر وہ ہستی ہے
سرِ روزِ جزا ہم کو شفاعت بخش دی جس نے
نصیب ان کو فلک سے بھی ہوا ہے اولیٰ و اعلیٰ
وہی خوش بخت کہ جن کو زیارت بخش دی جس نے(۴۲)

مسعود چشتی(پیدائش۱۹۶۸ء)

سید اسد مسعود بابر نعتیہ حلقوں میں مسعود چشتی کے طور پہ پہچانے جاتے ہیں۔ فیصل آباد کے نعتیہ حلقوں فعال کارکن کی حیثیت سر سر گرمِ عمل نظر آتے ہیں۔ آپ کی پیدائش ۰۶ جون ۱۹۶۸ کو چک نمبر گ۔ب رتی رتہ شریف تحصیل جڑانوالہ فیصل آباد میں ہوئی ابتداءئی تعلیم گورنمنٹ صابریہ سراجیہ پرائمری سکول نمبر ۲ فیصل آباد سے حاصل کی۔ بی ایس سی اور ایم اے اردو جامعہ کراچی سے کیا۔ انہوں نے باضابطہ شاعری کا آغاز ۱۹۹۰ سے کیا۔ آپ کا روحانی سلسلہ چشتیہ، صابریہ، قادریہ ہے اسی لیے روحانی سطح پر عملی کاموں میں متحرک نظر آتے ہیں وہ خواہ محفلِ میلاد ہو یا نعتیہ مشاعرہ ان کی شمولیت لازم و ملزوم ہوا کرتی ہے۔ ان کی شخصیت کا ایک قابلِ ستائش پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اردو نعت سے وابستہ سکالرز کی

رہنمائی کیا کرتے ہیں۔ نعت کے حوالے سے کئی اعزازات حاصل کر چکے ہیں شاعری میں استاذِ گرامی حضرت راغب مراد آبادی ہیں ان کا نعتیہ مجموعہ "تسکینِ قلب" ۱۹۹۸ میں شائع ہوا اور "بارش انوار" کی اشاعت ۲۰۰۰ء میں ہوئی۔ (۴۳) ان کے نعتیہ سلام میں عقیدت واحترام اور کمالِ محبت کے آثار نظر آتے ہیں ملاحظہ فرمایئے:

ذاتِ خیرالبشر پہ کروڑوں سلام
فخر جن و بشر پہ کروڑوں سلام
جو بنا مسکن سیدِ مرسلیں
رشک جنت نگر پر کروڑوں سلام
جس نے دیکھا وہ روئے جمیل و حسیں
اس مقدس نظر پہ کروڑوں سلام
جو وسیلہ بنی نعتِ سرکار میں
اس متاعِ ہنر پر کروڑوں سلام (۴۴)

آپ نے سوئے طیبہ کیا جو سفر
اُس کی گردِ سفر پر کروڑوں سلام
جو رہے منتظر گنبدِ سبز کی
اُس حسیں چشم تر پر کروڑوں سلام
ہو جو آباد یادِ شہِ دین سے
اُس دلِ معتبر پر کروڑوں سلام
ہیں جو شاداب نخلِ مدینہ تمام
ان کے برگ و ثمر پر کروڑوں سلام
سوئے طیبہ ہو مسعود جب بھی سفر
اُس مبارک سفر پر کروڑوں سلام (۴۵)

اشفاق احمد غوری (پیدائش ۱۹۷۰ء)

اشفاق احمد غوری ۱۱ فروری ۱۹۷۰ کو جلال پور پیر والا میں پیدا ہوئے شاعری کا آغاز ۱۹۸۸ میں کیا۔ غزل پسندیدہ صنفِ سخن رہی بعد ازاں کہانیاں لکھتے رہے۔ پیروڈی اور طنز و مزاح میں خوب نام کمایا۔ ۲۰۱۱ گوشہء درود و سلام جلال پور پیر

والا جوائن کیا تو نعت کی طرف راغب ہوئے تو باقی تمام اصنافِ سخن سے کنارا کش ہو گئے اور ۲۰۱۷ میں پہلا نعتیہ مجموعہ، صراطِ نور، شائع ہوا اسی سال حکومتِ پاکستان کی طرف سے، صراطِ نور، کو، قومی سیرت ایوارڈ سے نوازا گیا۔ جنوری ۲۰۱۹ میں دوسرا نعتیہ مجموعہ، صراطِ خلد، منظرِ عام پر آ چکا ہے تیسرا نعتیہ مجموعہ، صراطِ عشق، طباعت کے مراحل میں ہے۔[۴۶] ملک بھر میں اشفاق احمد غوری کو مشکل قوافی میں آسانی سے نعت کہنے والے نعت گو شاعر کے طور پر جانا جاتا ہے ان کا نعتیہ سلام ملاحظہ کیجیے:

سید المرسلیں سلامُ علیک
رحمت العالمیں سلامُ علیک
نورِ عرش بریں سلامُ علیک
لا مکاں کے مکیں سلام علیک
مجھ پہ بھی ہو نظر عنایت کی
شافعِ مذہبی سلام علیک
آپ کے دم سے ہیں زمین و زماں
روحِ دنیا و دیں سلام علیک
آپ کے سنگ در پر خم ہو کر
کہہ رہی ہے جبیں سلام علیک
مجھ کو ہو گی شفاعتِ آقا
اس قدر ہے یقیں سلام علیک[۴۷]

ان کا دوسرا نمونہ سلام دیکھیے گا:

اے شفیع المذنبیں خیر الانام، الصلواۃ والسلام
رحمت عالم، رسولوں کے امام، الصلواۃ والسلام
آسماں حسین کے ماہِ تمام، الصلواۃ والسلام
دست بستہ ہو گئے حاضر غلام، الصلواۃ والسلام
پھول، خوشبو، چاند، تارے، روشنی، موسم، ہوا
آپ کی خاطر ہے سارا انتظام، الصلواۃ والسلام
حشر میں جب اضطرابی کیفیت حد سے بڑھے
روح تیرے ذکر سے ہو شاد کام الصلواۃ والسلام

جب ملے اشفاق اذنِ حاضری دربار میں
جانب قدمین ہو میرا قیام، الصلواۃ والسلام[۴۸]

منظر پھلوری (پیدائش ۱۹۷۳ء)

۱۰ جنوری ۱۹۷۳ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ منظر پھلوری کا اصل نام "عبدالمجید افضل" اور آپ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نواحی قصبے "پھلور سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی نسبت سے آپ "منظر پھلوری" کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ منظر پھلوری اپنی غیر منقوط نعتیہ شاعری کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ انھوں نے پرائمری اور مڈل تک کی تعلیم گورنمنٹ مڈل سکول پھلور سے حاصل کی جبکہ ایم اے پنجابی اور اردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے کیا جس کے بعد وہ بسلسلہ روزگار ملتان چلے گئے۔ جہاں انھوں نے اپنی پہلی مکمل غزل "میرا درد دل ہے عنایت تیری تھی "ریڈیو پاکستان پر ہونے والا ایک مشاعرہ میں پڑھی جبکہ ساغر صدیقی رائٹرز کونسل ملتان کے ساتھ بطور ممبر منسلک ہوئے اور بعد ازاں تنظیم میں چیف آرگنائزر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اور اب محکمہ تعلیم میں بطور ڈسٹرکٹ ٹیچر ایجوکیٹر (ڈی ٹی ای) خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔[۴۹]

اردو کے بہت سے شعراء کی طرح منظر پھلوری نے بھی دوران تعلیم ہی شاعری کا آغاز کیا اور ایک مقابلے کے لیے ایک نظم لکھی۔ پھر باقاعدہ شاعری کی شروعات اپنے والد کے دوست ساجد مہروی کی شاگردی کے بعد ہوئی۔ منظر پھلوری نے غیر منقوط شاعری کے اہم شاعر سید مختار علی گیلانی سے بھی رہنمائی لی اور اپنی کامیابی میں ان کی رہنمائی کو بہت اہم گردانتے ہیں۔ ان کا منفرد کام غیر منقوط نعتیہ کلام ہے جو اردو نعت کی زرخیز زمین میں انفرادی حیثیت رکھتا ہے اردو نعت میں یہ ایک ایسی جہت ہے جس میں طبع آزمائی کرنا آسان نہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حضور اس نفسِ مضمون میں اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لیے عمیق غیر منقوطی مطالعہ بہت ضروری ہے وہ ایک عمیق المطالعہ شخصیت ہیں جنھوں نے ہر طرح سے زبان و بیان کا خیال رکھنے کے علاوہ ڈکشن کو مدِ نظر رکھا یہ منظر پھلوری صاحب کا ہی خاصہ ہے اور انہیں کا کمالِ فن ہے کہ غیر منقوطی فن کی اکملیت ان کے نعتیہ سلام میں نظر آتی ہے وہ دیکھتے ہیں:

ارحم ہر دوسرا لاکھوں سلام
ہر سو اٹھی ہے صدا لاکھوں سلام
ہوگئی معمور دل کی ہر گلی
مہر کی ہر دم عطا لاکھوں سلام
ہر کلی ہر گل اٹھا ہر سو مہک
موسمِ گل کی ہوا لاکھوں سلام
آسرا ہے کالی کملی والے کا

احمدِ صلِّ علیٰ لاکھوں سلام
ہیں اماں کا آرام اور ہر سو سکوں
ارحم کا ہے در کھلا لاکھوں سلام
ہر گھڑی وردِ لساں سائل کی ہے
اسمِ احمد کو سدا لاکھوں سلام(۵۰)

مبشر حسین فیضی (پیدائش ۱۹۷۵ء)

تاریخ پیدائش ۰۳ جنوری ۱۹۷۵ فیصل آباد میں رمضان المبارک کو پیدا ہوئے۔ مبشر حسین کا خاندان تقسیم پاکستان کے وقت ہندوستان امر تسر سے ہجرت کر کے فیصل آباد آکر رہنے لگا۔ دادانواب دین اپنے بھائیوں میں آخری اور چوتھے تھے۔ وہ حالات خراب ہوتے ہی تقسیم سے پہلے اپنی فیملی کو لے کر پاکستان آگئے تھے بقیہ تین بھائی بڑے تھے وہ زمین جائیداد کی حفاظت اور مال مویشی کی وجہ سے نہ آسکے اور تقسیم کا اعلان ہوتے ہی سکھوں کے ہاتھوں بے دردی سے شہید کر دیے گئے البتہ ان کی اولاد جان بچانے میں کامیاب رہی اور وہ کسی طرح پاکستان پہنچ گئے۔ انہوں نے ابتداءئی تعلیم اسی پرائمری سکول ۱۹۸۰-۸۵ سے حاصل کی جہاں سے میرے والد چچاو غیرہ بھی پڑھے تھے گورنمنٹ پرائمری اسکول حسین پورہ، فیصل آباد۔ یہاں سے پنجم تک پڑھے اس کے بعد میٹرک ایم سی ہائی اسکول کوتوالی روڈ سے کیا جو اس زمانے میں شہر کے اچھے اسکولوں میں شمار ہوتا تھا۔

میٹرک کے بعد ساری تعلیم پرائیویٹ رہی اور اب تک کی آخری سیڑھی ۲۰۲۰ میں پیش کیا ایم فل اردو کا مقالہ "حفیظ تائب مظفر وارثی اور ریاض مجید کی نعت کا خصوصی مطالعہ" ہے۔ دادی کو اقبال کی بانگ درا کی بہت سی نظمیں زبانی یاد تھیں تایاجی فاروق احمد سندھو ریڈیو کے لیے ڈرامے لکھا کرتے تھے۔ ایک پھوپھاجی نادر حسین زبردست وکیل تھے بہت ادبی ذوق رکھتے تھے

مبشر کی شاعری کا آغاز انٹر کے بعد ہوا۔ ۱۹۹۵ میں انہوں نے پہلی نعت کہی اور ادبی حلقے میں پہلا تعارف مجلس معین ادب پیر آصف بشیر چشتی کے زیر اہتمام سید ریاض حسین زیدی کی کتاب کی تقریب رونمائی کے بعد ہونے والے نعتیہ مشاعرے میں ہوا۔(۵۱) نعت کہنے میں فیصل آباد کے نعتیہ شعری ماحول نے بہت اہم کردار ادا کیا جس میں دربار محدث اعظم کے اعراس و محافل نعت اور نعت گو شعراء کی شاعری نے اور دعوت اسلامی کے ماحول نے اس طرف راہنمائی کی۔ ان کے نعتیہ سلام کا نمونہ ملاحظہ کیجیے:

دلبرِ روح الامیں آپ پر لاکھوں سلام
یا شہ دنیا و دیں آپ پر لاکھوں سلام
آمنہ کے گل حسیں آپ پر لاکھوں سلام

خوشبوئے کل عالمیں آپ پر لاکھوں سلام
اے حسیں اے مہ جبیں، اے نورِ پیکر دل نشیں
آپ سا کوئی نہیں آپ پر لاکھوں سلام
اے مہ صدق و صفا اے شہِ لطف و عطا
اے دو عالم کے نگیں آپ پر لاکھوں سلام
آپ ہی کی رحمتیں تو بٹ رہی ہیں چار سُو
رحمت اللعالمیں آپ پر لاکھوں سلام
آپ کی فرقت سے ہے بےحال فیضی یا نبی
عرض کرتا ہے حزیں آپ پر لاکھوں سلام(۵۲)

نصیر احمر اختر

جناب نصیر احمر اختر انجمن فقیرانِ مصطفٰی فیصل آباد کے ماہانہ نعتیہ میں شریک ہوا کرتے ہیں نعتیہ شاعری میں بہزاد لکھنوی اور شبنم رومانی کے شاگرد ہیں اور اکثر ان اساتذہ کے کلام کا عکس انِ کے نعتیہ کلام میں نظر آتا ہے اور طالب حسین کوثری کی معیت میں انہوں نے یہ سلام کہا تھا:

باعثِ کن فکاں پر کروڑوں سلام
روحِ کون و مکاں پر کروڑوں سلام
روشنی کا تسلسل ہے جن کے طفیل
نیرِ دو جہاں پر کروڑوں سلام
پھول کلیاں یہ کہنے لگیں جھوم کر
زینت گلستاں پر کروڑوں سلام
جس جگہ آپ آرام فرما ہوئے
مرجعِ قدسیاں پر کروڑوں سلام
ہم مریضوں کے اختر مسیحا نبی
جانِ بزمِ جہاں پر کروڑوں سلام(۵۳)

راشد آفریں

راشد آفریں کی نعتیہ شاعری میں جن خصوصیات نے مجھے متاثر کیا وہ خوبیاں ہیں جو ایک عاشق صادق کے کلام کا طرہ امتیاز ہوتی ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام میں آورد نہیں آمد ہے جو وارفتگی کی حدوں کو چھو رہی ہوتی ہے۔ ان کا سادہ کلام ان کے جذبے کی سچائی اور پاکیزگی کی گواہی دیتا ہے۔ بعض شعراء نے سلام گوئی میں نئے نئے تجربے کیے ہیں اور نئے نئے زاویے اپنائے ہیں تاہم روایتی شاعری کی بنیاد کافی مضبوط ہے۔ راشد آفریں کا سلام ملاحظہ کیجیے:

وہ مدحتِ حق کے ماہ و خاور، درود ان پر سلام ان پر
وہ فخرِ انساں خدا کے دلبر، درود ان پر سلام ان پر
وہی ہیں یٰسین، وہی ہیں طٰہٰ، وہی مدثر، وہی ہیں باقر
جو نورِ یزداں سے ہیں منور، درود ان پر سلام ان پر
مقام انساں کی زد سے باہر، ملائکہ کی بھی حد سے باہر
ثنا خواں جن کا خدائے برتر، درود ان پر سلام ان پر
بدن چھریرا، وہ پیاری باتیں، نورانی چہرے پہ کالی زلفیں
مبرا سائے سے جن کا پیکر، درود ان پر سلام ان پر(۵۴)

ہر ایک دل میں سمانے والے، سبھی کو اپنا بنانے والے
وہ ذاتِ اقدس دلوں کا محور، درود ان پر سلام ان پر
انھی کا فرماں خدا کا فرماں، انھی پہ انسانیت ہے نازاں
بشر کے ہادی عظیم رہبر، درود ان پر سلام ان پر
ہر ایک دل میں سمانے والے، سبھی کو اپنا بنانے والے
وہ ذاتِ اقدس دلوں کا محور، درود ان پر سلام ان پر(۵۵)

محمد آصف قادری

واہ کینٹ نواب آباد کے نعت گو شاعر محمد آصف قادری کا ہے۔ واہ کینٹ کی نعتیہ محفلیں برادرم سید منظور الکونین اقدس کے لب و لہجہ سے نعت کا گلزار بنی ہوئی ہیں۔ نعت کے حوالے سے ان کی خدمات چھ دہائیوں سے زائد عرصے کو محیط ہیں۔(۵۶) اس عرصے میں انھوں نے نہ صرف سامعین نعت کے دلوں کو گرمایا بلکہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ محمد آصف قادری سید منظور الکونین کے شاگردوں میں سے ہیں۔

محمد آصف قادری کی نعت کا نمایاں وصف ان کی سادہ بیانی ہے۔ ان کی نعت کی جملہ صفات کا سبب ان کی نعت گوئی کا یہی محوری وصف ہے۔ اس کی وجہ ان کی خوش لحنی بھی ہے۔ جس نے ان کے الفاظ، بحورِ نعتیہ، زمینوں اور بحیثیت مجموعی ان کے ماحول نعت میں شیرینی اور غنا کے عناصر کو ملحوظ رکھا ہوا ہے۔ ان کے ہاں سلاست، اخلاص اور تاثیر کے دھارے اسی سادہ بیانی کی عطا ہیں۔ تراکیب اور شعری زمینوں کی تلاش و جستجو میں انھیں کسی تکلیف کے تجربے سے گزرنا نہیں پڑتا۔ بے ساختگی ان کی سادگی کی ہم رکاب ہے۔ اور وہی سادگی ان کے نعتیہ سلام میں نظر آتی ہے دیکھیے گا:

ہزاروں ہوں درود اُن پر ہزاروں ہوں سلام ان پر
وہ ہیں سلطانِ بحر و بر، ہزاروں ہوں سلام ان پر
اشارے سے قمر توڑیں بلائیں تو شجر توڑیں
گواہی جن کی دیں پتھر، ہزاروں ہوں سلام ان پر
جو رحمت کی ردائیں دیں، جو دشمن کو دعائیں دیں
عطا و جود کے پیکر ہزاروں ہوں سلام ان پر
مرا آصف یہ ہے ایماں ہر اک دکھ کے ہیں وہ درماں
وہی دکھیوں کے ہیں یارو، ہزاروں ہوں سلام ان پر (۵۷)

ساجد ڈھلوں

ساجد ڈھلوں نعت گو شاعر ہیں ان کی پیدائش ضلع نارووال کے چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مڈل سکول سے حاصل کی۔ میٹرک اور ایف اے تک تعلیم نارووال کے تدریسی اداروں سے حاصل کی۔ ۱۹۷۲ میں پاکستان ایئر فورس میں شمولیت اختیار کی۔ دورانِ سروس پشاور یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۲۵ سالہ سروس کرنے کے بعد بطور پبلشرز آج کل زندگی لاہور میں گزار رہے ہیں۔ (۵۸) ان نمونہ سلام دیکھیے گا:

دنیا کے تاجدار کو ہمارا سلام ہو
اللہ کے جاں نثار کو ہمارا سلام ہو
یٰسین طٰہٰ آپ ہیں یا سید البشر
شہکار کردگار کو ہمارا سلام ہو
خالق کی ہے رضا وہی جو آپ کی رضا
عظمت کے اس مینار کو ہمارا سلام ہو
رحمت لقب ہے آپ کا خیر الوریٰ ہیں آپ
رحمت کی آبشار کو ہمارا سلام ہو

ہو الٰہی ابد تک ساجد کا یہ کلمہ دوام
الصلواۃ و والسلام سرورِ دین السلام[۵۹]

(ب)سلام بحضور امام عالی مقام علیہ السلام

پروفیسر سردار نقوی(۱۹۴۱ء۔۲۰۰۱ء)

سید سردار محمد نقوی المعروف سردار نقوی ۲۱ مارچ، ۱۹۴۱ء کو امروہہ، اتر پردیش، برطانوی ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید انوار محمد نقوی تھا۔ ابتدائی تعلیم کا سلسلہ امروہہ ہی میں پائی۔ تقسیم ہند کے بعد اپنے وطن سے ہجرت کر کے کراچی آگئے اور یہیں باقی تعلیم مکمل کی۔ کراچی یونیورسٹی سے بی ایس سی (آنرز) اور ۱۹۶۲ء میں ایم ایس سی (ریاضی) کی اسناد حاصل کیں۔ پروفیسر سردار نقوی نے ملازمت کی ابتداء ۱۹۶۳ء میں جیالوجیکل سروے ڈپارٹمنٹ سے کی۔ بعد ازاں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ لیکچرر شپ اختیار کی اور ۱۹۹۷ء میں بحیثیت پروفیسر اور سربراہِ شعبہ جیالوجی ریٹائرمنٹ لے لی۔ انہوں شاعری کی ابتداء ۱۹۵۷ء میں سولہ برس کی عمر میں کی۔ ابتداء میں ہی ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوئے اور اپنی شاعری کا رشتہ انسانی دکھ اور آلام سے جوڑا۔ انہوں نے نعت، منقبت، غزل، مرثیہ ہر صنف میں لکھا۔ تاہم مرثیہ گوئی میں ملک گیر شہرت پائی۔ ایک عرصہ تک ریڈیو پاکستان کراچی اور پی ٹی وی پر ان کا مرثیہ تحت اللفظ ہر سال باقاعدگی سے پیش ہوا۔

سردار نقوی کی وفات ۵ فروری ۲۰۰۱ء کو کراچی میں ہوئی اور انہیں کراچی کے قبرستان وادیِ حسین میں دفن کیا گیا۔[۶۰] سردار نقوی رثائی ادب اور سلام نگاری کا ایک معتبر حوالہ ہیں جن کی کچھ تصانیف کراچی سے ان کے بیٹے سہیل مہدی کی طرف سے موصول ہوئیں جن کا ادبی کام قابل تعریف بھی ہے اور یاد رکھنے کے قابل بھی ذکر محمد و آل محمد علیہم السلام سے روح و قلب کو پاکیزہ اور معطر کرتی ہوئی شاعری اور رثائی نثری مضامین کو دیکھ کر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں رخصت ہوئیں اور سہیل بھائی کے حق میں ڈھیروں دعائیں کی۔ ان کا یہ متبرک تحفہ مجموعہء مراثی گریہ فرات، پرسہ، توحید سے شہادت تک، مکتب اسلام اور زندگی کا باہمی تعلق، نگاہ دہر مجلہ بیادِ پروفیسر سردار نقوی پر مشتمل ہے۔ ایسا پر آشوب دور جس میں جسمانی خواہشات کی تسکین و آرام و راحت معاشرتی برتری کا معیار بن گئے ہوں وہاں سردار نقوی کی رثائی فضا نے ایک پاکیزہ راستہ نکالا ان کے کچھ مرثیے پڑھے تو محسوس ہوا کہ ان کی شعری فضا کے باوصف تخلیقی اور فنی صلاحیتوں سے مزین شاعری نے روحانی اقدار کو ابھار کر شعور و قلب کو پاکیزہ کر دیا انہوں ایک ایسا ادب متعارف کروایا جس میں حسن بیان بھی ہے اور خوبی ادا بھی اور ذات باری و محمد و آل محمد علیہم السلام کی بلندی اور عظمت کا اعتراف بھی۔ ان کے دلکش مرثیوں اور سلاموں کو اہلِ ذوق میں خوب سراہا جاتا ہے۔ ان کے ایک مرثیے کا پہلا بند مجموعہ مراثی "پرسہ" سے نقل کیا گیا دیکھیے گا۔

اگر یہ فرات ان کا دوسرا مجموعہ مراثی ہے جس کے ۱۷۵ صفحات ہیں ابتداء میں تجزیاتی مرثیے کے عنوان سے علامہ طالب جوہری کی تحریر دیکھنے کو ملی اور ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی صاحب نے بھی مبصرانہ نگاہیں گاڑ کر اپنے تحقیقی و تنقیدی خیالات ضبط تحریر کیے۔ مزید مطالعہ کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ شاعر نے روایت اور جدت سے شعور کشید کر کے عمدہ اسلوب میں مرثیے لکھے ہیں۔ لفظوں کا انتخاب ان کے معنوں کا ربط، ان کی جھنکار اور صوتی تاثیر پر مرثیہ نگار کی نظر اس قدر گہری ہے کہ گویا موزوں ترین الفاظِ بلا کسی خاص کاوش کے ان کے قلم سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ ایک فطری شاعر ہیں جنہوں نے اپنی وسعتِ علمی اور علوم محمد و آل محمد علیہم السلام کے گہرے مطالعے کے سبب اہل بیت علیہم السلام سے والہانہ محبت کا اظہار کیا اور عشق حسین علیہ السلام میں ڈوبے ہوئے شعر تخلیق کیے مسدس میں نمونہ سلام دیکھیے گا کہ:

ہر نفس کی ہے صدا سبطِ پیمبر پہ سلام
گلشنِ علم شجاعت کے گلِ تر پہ سلام
مقصد کوثر و آئینۂ وانحر پہ سلام
جس نے قرآن پڑھا نیزے پہ اس سر کو سلام
جس کی ہر سانس نے اک تازہ صدا بخشی ہے
دین کو جس نے حیاتِ ابدی بخشی ہے (۶۱)

سر بلندی کی جو پہچان ہے اس سر پہ سلام
سر بلند آج بھی ہے اس کی بدولت اسلام
گم ہوا ملبہء تاریخ میں افسانہء شام
سرخی قصہ تہذیب ہے شبیر کا نام
جب لب وقت پہ شبیر کا نام آتا ہے
ایک اک لمحہ پہ صدیوں کا سلام آتا ہے (۶۲)

پیر نصیر الدین نصیر گولڑہ شریف (۱۹۴۹ء۔۲۰۰۹ء)

پیر نصیر الدین نصیر چشتی قادری قمیصی ایک شاعر، ادیب، محقق، خطیب، عالم اور صوفی باصفا و پیر سلسلہ چشتیہ تھے۔ آپ اردو، فارسی اور پنجابی زبان کے شاعر تھے۔ اس کے علاوہ عربی، ہندی، پوربی اور سرائیکی زبانوں میں بھی شعر کہے۔ اسی وجہ سے انہیں "شاعر ہفت زبان" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ پیر غلام معین الدین (المعروف بڑے لالہ جی) کے فرزند ارجمند اور پیر مہر علی شاہ کے پڑپوتے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۴ نومبر ۱۹۴۹ء میں گولڑہ شریف میں ہوئی۔ آپ

گولڑہ شریف کی درگاہ کے سجادہ نشین تھے۔ پیر صاحب کا انتقال ۱۳ فروری ۲۰۰۹ء کو ہوا آپ کا مزار گولڑہ شریف میں مرجع خلائق ہے۔(۶۳) وہ متعدد تصنیفات کے خالق ہیں ان کا نمونہ سلام دیکھیے گا:

نازشِ صدق و صفا تم پر سلام
دخترانِ مصطفیٰ تم پر سلام
جانِ محبوبِ خدا تم پر سلام
ہر نفس ہر دم صدا تم پر سلام
زینبِ عالیؑ نسب، بنتِ رسول
پیکرِ صبر و رِضا تم پر سلام
فاطمہ زہراؑ تمھیں کہتے ہیں سب
بنت شاہِ اَنبیاء تم پر سلام
مادرِ شبیر و شبرؑ ہو تمھی
با نوئے شیر خدا تم پر سلام
تم سخی، بنتِ سخی، زوجِ سخی
صاحبِ جود وعطا تم پر سلام
کیوں نہ ہو مداح تم سب کا نصیر
تم پہ ہے فضلِ خدا، تم پر سلام(۶۴)

شاہد نقوی (۱۹۱۶ء۔۲۰۱۱ء)

شاہد نقوی صاحب نے ۲۱ دسمبر ۱۹۱۶ کو شکار پور ضلع بلند شہر میں ایک سید گھرانے میں آنکھ کھولی۔ چار یا پانچ سال کی عمر میں اپنے گھر کی ایک مجلس میں منبر پر مشہور زمانہ رباعی "پتھر پہ علم دین کا گاڑا کس نے" سے پیش خوانی کا آغاز کیا۔ مولانا ناصر علی تاسف کی تحریک و حوصلہ افزائی سے غزل گوئی کا آغاز کیا۔ کم و بیش چار سال تک روزانہ ایک غزل یا نظم لکھ کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ ترقی پسند ادب سے متاثر رہے اور مشاعروں میں ترنم میں غزل پیش کرتے تھے۔ ۱۹۵۳ میں ایک داخلی ذہنی انقلاب کے زیر اثر انجمن اور غزل دونوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور اس وقت سے ذکر اہل بیت محور فکر بن گیا۔ ۱۹۴۱ میں سید آل رضا کا ایک مرثیہ سن کر مرثیہ لکھنے کا آغاز کیا مگر ۳۶ بند لکھ کر ادھورا چھوڑ دیا۔ ۱۹۵۹ میں ڈاکٹر یاور عبّاس نے اپنے عشرہ مجالس میں شاہد صاحب کا نام بحیثیت مرثیہ گو شاعر شامل کر دیا، شاہد صاحب نے یاور صاحب سے معذرت کی تو یاور صاحب نے کہا یہ الفاظ منبر سے کہہ دینا، ڈاکٹر یاور کی اس تحریک پر مرثیہ کا آغاز کیا۔ شاہد نقوی صاحب اپنی کتاب "والعصر" میں اس واقعے کو تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "خدا جنت نصیب کرے برادر بزرگ جناب

زیبا ردولوی صاحب کو کہ انہوں نے توجہ سے میری دست گیری فرمائی اور اگر زیبا صاحب نہ ہوتے تو میں مرثیہ نہ کہہ پاتا"۔
ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ جن عالموں سے یہ سلسلہ عزاداری استفادے کا موقع ملا ان میں بالخصوص حافظ کفایت حسین اور مولانا محمد مصطفیٰ جوھَر صاحب قبلہ سے جتنا فیض حاصل ہو اوہ دوسرے تمام ذرائع سے زیادہ وزنی ہے۔

شاہد نقوی صاحب کی کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔نفسِ مطمئن

۲-والعصر

۳-کرب جاوداں

۴-صراط و سلسبیل

۵-حصار حرم

۶-رومال زہرا

۷-ضمیر مصلوب

(کتابوں کی سرورق کی تصویر ساتھ پوسٹ کی ہے جسمیں سے زیادہ تر کتابیں شاہد انکل نے اپنے دستخط کے ساتھ عطا کیں تھیں۔)

پاکستان کی تاریخ میں اگر عزاداری کے حوالے سے مشہور زمانہ کلام کا تذکرہ کیا جائے گا تو یہ ناممکن ہے کہ "زینب نے کہا باپ کے قدموں سے لپٹ کر، اب آئے ہو بابا" کا ذکر نہ ہو۔ ایک روز میں انکی خدمت میں حاضر تھا اور ظفر عابدی بھائی اور ابرار عابد (مرحوم) کے سامنے تذکرہ نکلا تو کہنے لگے کہ یہ کلام میں نے ناصر بھائی (ناصر جہاں) کے لیے لکھا تھا لیکن پتہ نہیں کیوں وہ نہ پڑھ سکے اور عزت صاحب (عزت لکھنوی) نے کہا کہ میں اسے پڑھوں گا اور یہ کلام برصغیر میں مشہور ہو گیا، شاید بی بی سلام اللہ علیھا نے اس نوحہ کو قبول فرمالیا۔

شاہد صاحب نے کم و بیش ہر موضوع پر جم کے مرثیہ لکھا لیکن انکے محبوب موضوعات صلح امام حسنؑ اور معراج تھے۔ میں نے دریافت کیا کے آپ کا اپنا پسندیدہ مرثیہ کونسا ہے تو کہنے لگے معراج جس میں قاب قوسین کو نظم کیا ہے۔

ان کا دولت کدہ "کہکشاں" نو تصنیف مرثیوں کی مجالس کے لیے واقعی کہکشاں ثابت ہوا جس نے مرثیہ گوئی و مرثیہ خوانی کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ کلیم آل عبا کا خطاب علامہ طالب جوہری قبلہ نے انہیں عطا کیا تھا اور ۱۹۹۲ میں مولانا محمد مصطفیٰ جوھَر ٹرسٹ کی جانب سے شاہد نقوی صاحب کو کلیم آل عبا اور وحید الحسن ہاشمی صاحب کو وحید مودت کا خطاب اور یادگاری شیلڈ پیش کرنے کی تقریب منعقد کی گئی تھی۔[۶۵]

شاہد نقوی نے سلام جیسی معتبر صنفِ سخن کو فن کی بلندیوں پر پہنچا دیا کہ شعر و ادب کی دنیا میں رہنے والوں کے لیے اس صنف کا مطالعہ ناگزیر ہو گیا۔ شاہد نقوی کے سلاموں کی تکنیک یہ ہے کہ شہداء کربلاؑ کے کردار و اعمال کو دنیا کے

سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ یہ اثرپذیری اپنا کام کر جائے اور قاری کو اس بات کی اطلاع نہ ہو۔ شاہد نقوی کے سلاموں کی تاثیر کی بنیادی وجہ خلوص ہے جو کامیاب شاعری کی جان ہے۔ نمونہ سلام بنظرِ غائر دیکھیے گا کہ:

نماز ڈھونڈتی ہیں سجدہ سرور نہیں ملتا
اذانیں تو رہی ہیں لہجہء اکبر نہیں ملتا
نہیں اس سے بڑا کوئی سہارا غم نصیبوں کا
بڑے بد بخت ہیں جن کو غم سرور نہیں ملتا
دلوں کے فاصلے کم ہوں یہ ہے مفہوم قربت کا
قریب آ بیٹھنے سے قربِ پیغمبر نہیں ملتا[۶۶]

شاہد نقوی نے اپنی سلاموں میں واقعہ کربلا کو بڑے موثر اور دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا موقف ہے کہ جو شخص واقعہ کربلا کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے وہ اسلام کے معنوں سے بھی بخوبی واقف ہو جاتا ہے۔

رویا ہے کب حسین کو جی بھر کے آدمی
اب تک یہ حق ہوا ہے ادا کم بہت ہی کم[۶۷]

شاہد نقوی نے اپنے سلاموں کے ذریعے قوم کو ایک ایسا پیغام دیا ہے کہ جس میں فکر و عمل کی ہزاروں داستانیں چھپی ہوئی ہیں۔ انہوں نے اس پیغام کے ذریعے ہمارے اندر دبے ہوئے جوش کو ابھارنے کی کوشش کی۔

وحید الحسن ہاشمی (۱۹۳۰ء۔۲۰۱۱ء)

شاعرِ شیریں بیاں اور رثائی ادب کے وحیدِ عصر جناب وحید الحسن ہاشمی ۱۹۳۰ میں جونپور بھارت میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی سید شبیر حسن صفآ الہ آبادی فارسی، اردو اور ہندی کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ بڑے بھائی سید محبوب الحسن حبیب شعر گوئی میں نہایت زود گو واقع ہوئے تھے۔ وحید الحسن ہاشمی نے بھی ۱۲ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیے۔ گورنمنٹ ہائی سکول جونپور سے میٹرک، ایف اے، آر ایس کے ڈی انٹر کالج جونپور سے، بی اے الہ آباد یونیورسٹی سے، ایم اے پنجاب یونیورسٹی سے کیا، انکے اساتذہ میں ڈاکٹر عبداللہ، ڈاکٹر عبادت بریلوی، پروفیسر وقار عظیم، پروفیسر عابد علی عابد اور پروفیسر عباس شوستری جیسے جید افراد شامل تھے۔[۶۸]

بنیادی طور پر وحید الحسن ہاشمی سلام، نوحہ اور مرثیے کے شاعر تھے مگر نعت نگاری بھی آپ کی پہچان رہی۔ آپ کی نعتیں جدید انداز میں تازہ کاری کی علامت ہیں۔ آپ کی نعتوں میں روایتی گھن گھرج نہیں، مگر تازہ اور توانا لب و لہجے میں نعت کی آفاقیت کے سب جوہر موجود ہیں:

مدحتِ شاہ مدینہ کا صلا کیا مانگتے
درد میں ملنے لگی لذت، دوا کیا مانگتے

ان کے در پر جا کے بھی کھولے نہ ہم نے اپنے لب
مانگنے کا جب سلیقہ ہی نہ تھا کیا مانگتے(۶۹)

سید وحید الحسن ہاشمی جدید مختصر مرثیہ کے پیشرو ہیں۔ انہوں نے عصرِ حاضر کے مرثیوں کو دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی۔ یہی سبب ہے کہ بیشتر شعراء نے ان کی تحریک سے متاثر ہو کر اپنے مرثیوں کو مختصر بھی کیا اور فکری و فنی اعتبار سے ان میں ندرتیں بھی پیدا کیں۔ وحید الحسن اس لحاظ سے بھی قابل توجہ مرثیہ نگار ہیں کہ ان کے مرثیوں میں جوش اور آل رضا کے فنی و فکری محاسن یکجا ہو گئے تھے۔ وحید الحسن جوش کے پرستار اور آل رضا کے عزیز شاگرد تھے اسی لئے ان کی شاعری دونوں ذائقوں کا حسین اور دلچسپ مرقع بن گئی۔ وحید الحسن ہاشمی نے خود کو مختصر مرثیے کا بانی بتایا ہے اور مختصر مرثیے پر انکا تنقیدی اور تحقیقی کام ایک پوری نسل کے لیے روشنی ثابت ہو گا۔ وہ مرثیہ نگاری میں انیس و دبیر کی روایت رثا کو تو ساتھ لے کر چلے لیکن زبان و بیان کی جدت سے بھی استفادہ کیا۔ ہاشمی صاحب کے فرزند ارجمند شبیہ الحسن ہاشمی نے اپنے والد پر ایک بہترین کتاب "مختصر مرثیے کی روایت اور وحید الحسن ہاشمی" مرتب کی جس میں انہوں نے اپنے والد گرامی کے چالیس مرثیوں کا تجزیہ کیا ہے۔ ان کا نمونہ سلام دیکھیے گا کہ:

علیؑ کو دل میں بسا کر سلام کہتا ہوں
زمیں کو عرش بنا کر سلام کہتا ہوں
میرے شعور میں آتا ہے جب خیالِ حسینؑ
ہر اک خیال بھلا کر سلام کہتا ہوں
سیاہ رات جفاؤں کی جب ڈراتی ہے
وفا کی شمع جلا کر سلام کہتا ہوں
فضائے عشق پہ چھائی ہے جب حسین کی یاد
غزل کا نقش مٹا کر سلام کہتا ہوں
منافقت میرے شعروں تک آ نہیں سکتی
میں اس پہ ضرب لگا کر سلام کہتا ہوں
قسم ہے مظہر شان خدا کے ٹھوکر کی
اجل سے آنکھ ملا کر سلام کہتا ہوں(۷۰)

وحید الحسن ہاشمی مقصدی شاعری کے علمبردار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رثائی شاعری اپنے اندر مقصدی پہلو رکھتی ہے ان کے سلاموں کا مطالعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ شعر کو طفنن طبع کا ذریعہ نہیں بناتے بلکہ وہ اپنے اشعار کے ذریعے ایک مقصد تک پہنچانا چاہتے ہیں۔

پروفیسر سمیع اللہ قریشی (۱۹۳۲تا۲۰۱۱)

پروفیسر سمیع اللہ قریشی اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ اسلامی تاریخ، اسلامی شخصیات اور اسلامی افکار سے بخوبی آشنا تھے۔ ان کے کلام میں حمد، نعت، سلام، سفر شوق (سفر حج) کے علاوہ قومی وملی نظمیں شامل ہیں آپ نے فرزند رسولؐ لخت جگر علی بتولؑ کی دینی غیرت، دلیری، بہادری اور صبر کا تذکرہ کرتے ہوئے انھیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کا انداز:

یونہی خطاب سرِ راہِ نینوا کرتے
خدائے پاک کی ہر دم رہے ثنا کرتے
وفا کی رسم اسی طرح سے ادا کرتے
حُسینؑ ہاتھ اٹھائے رہے دعا کرتے
سلام پیکر صبر و رضا سلام علیک
سلام کشتہ جورو جفا سلام علیک(۷۱)

آپ کے سلام میں سادگی، سلاست اور روانی موجود ہے پیکر صبر ورضائے عاشق اِلٰہ امام حُسینؑ کو نیاز مندی سے سلام پیش کرتے ہیں۔ اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں اردو کے باکمال سلام نگاروں نے اس صنف کو عروج بخشا اور اپنی منفرد شناخت بنائی دینی و عصری علوم کے امتزاج نے ان کے فکر و فن اور سلاموں کو مقامِ اعتبار و افتخار بخشا ہے۔ اس کشادہ قلبی، منکسر المزاجی اور بے لوث خدمت کے باوصف معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس صنف کو وظیفہء حیات بنالیا ہے۔ سلام نگاری کے فروغ اور استحکام میں جدید سلام گو شعراءء کی خدمات قابل قدر ہیں۔ ان کے سلاموں میں عشق و وارفتگی، جذبات کا طلاطم، موضوعات کا تنوع، والہانہ انداز اور اسلوب بیان کی جدت وندرت کے علائم واجزا نظر آتے ہیں۔

ان تمام شعراءءنے فکر و تخیل کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچادیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ وفورِ جذبات اور قرینہ اظہار کے فن سے کماحقہ آشناہیں اور ان کا سہارا لے کر اپنے کلام کو فکر و فن کا اعلیٰ نمونہ بنانے میں کامیاب رہے ہیں، اور یہ جذبہ ہے عشق رسول و آل رسول علیہم السلام کا جو ان کے سینے میں موجود ہے۔ جدید سلام نگار شعراء کے سلاموں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کلام فکری محاسن اور فنی خصوصیات کے حامل ہیں زبان وبیان کے فنکارانہ استعمال اور سلام گوئی کی شرعی حدود و قیود سے وہ بخوبی واقف ہیں۔ سلام کو غزل کا پیرہن عطا کرنا اور غزل کے پردے میں سلام کے سرمدی نغمات سے شعر و سخن کو معطر کرنے کا فن انہیں خوب آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سلام میں بھی غزل کی سادہ و سلیس زبان استعمال کرتے ہیں۔ نت نئے قوافی لاتے ہیں اور نوع بہ نوع ردیفیں تراشتے ہیں اور ان سب کو سلام نگار اس طرح پروتے ہیں کہ سامعین و قارئین مچل اٹھتے ہیں۔ دور حاضر کے سلام نگاروں کے سلام میں خوبصورت قوافی اور منفرد ردائف کہکشاں کی مانند صفحہ قرطاس پر جگمگاتی ہیں۔ اکیسویں صدی کے جدید سلام نگاروں نے خیال اور اسلوب کی سطح پر ایسی جدتیں پیدا کی ہیں کہ

بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ بعض شعراء کے نزدیک شعر میں کوئی چونکا دینے والی بات کہہ دی جائے تو جدت پیدا ہو جاتی ہے۔ تاہم سلام نگاری کے ذیل میں یہ بات اہم ہے کہ شعراء نے قدیم خیالات اور مستعمل موضوعات کو اس سلیقے اور ہنر مندی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اس میں از سرِ نو تازگی پیدا ہو گئی ہے اور معنوی حوالے سے ایک بصیرت افروز منظر نامہ نگاہوں میں ابھر تا ہے۔ سلام نگاروں نے اپنے افکار و اسالیب سے سلام کو جو نئے ذائقے اور رنگ بخشے ہیں وہ زندگی کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے عصری مسائل سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں۔

مشکور حسین یاد (۱۹۲۵ء۔۲۰۱۷ء)

مشکور حسین یاد حصار (مشرقی پنجاب) میں ۱۱ ستمبر ۱۹۲۵ء کو پیدا ہوئے۔ لکھنے پڑھنے سے دلچسپی تھی چنانچہ پہلے ایک ہفتہ وار اخبار (پکار) کی ادارت سنبھالی پھر راشننگ کے محکمہ میں انکوائری افسر ہو گئے لیکن جلد ہی اس محکمہ کو چھوڑ کر مزید تعلیم جاری رکھنے کے لیے ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی اسکول میں انگریزی کے استاد بن گئے۔ ابھی ایک ماہ بھی نہ پڑھایا تھا کہ اگست ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ والد صاحب کے علاوہ ان کی ماں، بیوی، بیٹی اور بھائی اور دوسرے قریبی عزیز شہید ہوئے۔ آزادی کی راہ میں اتنی بڑی قربانی دے کر نومبر ۱۹۴۷ء میں مشکور حسین یاد لاہور پہنچے۔ ۱۹۵۵ء میں اردو میں ایم اے کیا اور ۱۹۶۰ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں تدریس کے شعبے سے وابستہ ہو گئے۔ مشکور حسین یاد کی نثری تصانیف میں آزادی کے چراغ، جوہر اندیشہ، دشنام کے آئینے میں، بات کی اونچی ذات، اپنی صورت آپ، لاحول ولا قوۃ، ستارے چھپھاتے ہیں، مطالعہ انیس کے نازک مراحل، میں اُردو ہوں، غالب نکتہ جو، وقت کا استخارہ، ستم ظریف اور ممکنات انشائیہ اور شعری مجموعوں میں پرسش، پرداخت، برداشت، عرضداشت اور نگہداشت شامل ہیں جبکہ ان کی شہرہ آفاق تصنیف " آزادی کے چراغ" ہے جس کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اس کے علاوہ وہ چیف ایڈیٹر ہفت روزہ "پکار" ۱۹۴۵ء ایڈیٹر ماہنامہ "زعفران" لاہور ایڈیٹر ماہنامہ "چشمک" لاہور بھی رہے۔ حکومت پاکستان نے انہیں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی اور ستارہ امتیاز سے بھی نوازا۔ ۱۱ نومبر ۲۰۱۷ کو وفات پائی۔[۷۲]

مشکور حسین یاد اپنے غلاموں میں اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ جو واقعہ کربلا اہم نتائج نکل سکتے ہیں اور جو تاثرات عام آدمی پر پڑتے ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے اس لیے عام طور پر ان کا روئے سخن عام آدمی کی طرف ہے بلکہ انہوں نے تو اپنا ایک سلام بھی عام آدمی کی ردیف رکھ کر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اگر آدمی کے دل میں رسول اور ان کی آل کی محبت ہے تو اسے تعصبات کے بت خانہ توڑ دینے چاہئیں اور یہ تجویز پیش کی ہے کہ انسان کا احساس ایک ویرانے کی طرح ہے۔ جب تک اس میں کربلا والوں کی یاد نہ سنائی جائے گی تو یہ ویرانہ بستی میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے وہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

یارو تمہی سلیقے سے لو کربلا کا نام
خود اس طرف کب آئیں خدا جانے آدمی[۷۳]

مشکور حسین یاد کا خیال ہے کہ انسان کی بقا امام حسین کے غم میں پوشیدہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ انسان کی زندگی تباہی کے بھنور میں پھنس جائے تو اسے گھبرانا نہیں چاہیے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حسین اور حسین کا غم ڈوبتی ہوئی کشتیِ حیات کو کنارے پر ضرور لائے گا۔ مشکور حسین یاد کے سلاموں میں ایجاز و اختصار کی تکنیک موجود ہے ان کے سلاموں کے ساتھ بالکل غزل کے اصول پر مبنی ہے ہر سلام غزل کی طرح پانچ سات یا نو اشعار پر مشتمل ہوتا ہے اور غزل ہی کی طرح سلام کا ہر شعر بھی الگ الگ اکائی رکھتا ہے۔ مشکور حسین یاد کے سلام اکثر پہلو دار ہوتے ہیں عام طور پر وہ تلمیح سے کام لیتے ہیں۔ حدیث و قرآن کے تراجم بھی بیان کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے سلام ہمارے دلوں کو گرماتے بھی ہیں اور ہماری روح کی پیاس کو بجھاتے بھی ہیں:

انسانیت کی سمت سفر کا پتا چلے
نام حسین لو کہ شر کا پتا چلے
رونا غمِ حسین میں آسان تو نہیں
گریہ کریں تو شام و سحر کا پتا چلے
خاکِ شفا سے جس کا نہ ہو رشتہ استوار
کیا اس کو ناتوانی زر کا پتہ چلے
ہے دور اگر مدینہ سوئے کربلا چلو
کچھ تو تمہارے ذوقِ سفر کا پتا چلے
مشکور ہم وہ خاکِ نشین زمانہ ہیں
باتوں سے جن کی شمس و قمر کا پتا چلے(۷۴)

ساحرؔ لکھنوی (۱۹۳۱ء۔۲۰۱۹ء)

ساحرؔ لکھنوی کی ولادت ۵ ستمبر ۱۹۳۱ء کو کراچی میں ہوئی تھی جب ان کے والدین کربلائے معلیٰ و دیگر شعائر اللہ کی زیارت کے سفر پر تھے۔ ساحرؔ لکھنوی کا تعلق مجدد شریعت سید دلدار علی غفرانمآب کے چھوٹے بیٹے سید العلماء مولانا سید حسین علیین مکاں کی نسل سے تھا۔ وہ نواب سید اصغر حسین فاخرؔ لکھنوی کے پرپوتے اور نواب سید اختر حسین مصورؔ لکھنوی کے فرزند تھے۔ ساحرؔ لکھنوی کے نانا سید محمد ذکی ہاتفؔ لکھنوی بھی خود ایک مشہور شاعر تھے۔

ساحرؔ لکھنوی نے دنیاوی تعلیم میں ایم اے، ایل ایل بی، ڈی آئی ایل ایل کی ڈگریاں حاصل کی تھیں۔ ساحرؔ لکھنوی ایک بین الاقوامی صنعتی ادارے میں پرسنل اینڈ ایڈمنسٹریشن ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ کی حیثیت سے ۱۹۹۳ تک مصروف کار رہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کی ابتداء سلام سے کی، غزل ساتھ ساتھ چلتی رہی جسے انہوں نے جلد ہی ترک کر دیا اور انتقال سے قبل تک انہوں نے قصیدہ و منقبت، سلام و رباعیات، مرثیہ گوئی اور تاریخ گوئی وغیرہ پر توجہ دی۔ ان کے پسماندگان

میں چار بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ ساحر کی شخصیت میں لکھنؤ بالخصوص خاندان اجتہاد کی انکسار و خاکساری اور بزرگوں کا ادب گھٹی میں پڑا تھا۔ مرحوم کا خانوادہ شعر و سخن کی خوشبو سے بسا ہوا تھا۔ ان کے والد، چچا اور پھوپھیاں وغیرہ بھی ذوق شاعری رکھتی تھیں۔ اس طرح سے ساحرؔ کی پرورش ایک خاص ادبی ماحول میں ہوئی تھی۔

ساحرؔ لکھنوی کا پہلا مرثیہ 'مرثیہ قطب شاہ سے ساحرؔ تک' پہلی بار شائع ہوا جس میں انہوں نے مرثیہ کی تاریخ کو نظم کیا۔ ساحرؔ لکھنوی کی متعدد مطبوعات نے مقبولیت حاصل کی جن میں 'علم اور علما، فقہ و شمشیر، آیات درد، صحیفۂ مدحت، ایمانی شہ پارے، فنِ تاریخ گوئی کا تنقیدی جائزہ، یقین کامل، احساس غم، لہو رنگ صحرا، خانوادۂ اجتہاد کے مرثیہ گو، اور وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

سید قائم مہدی ساحرؔ لکھنوی نے اپنی شاعری کی ابتداء لکھنؤ سے ہی کی تھی اور انہوں نے حسینی شاعر فضل نقوی کو اپنا کلام بغرض اصلاح دکھانا شروع کیا۔ ساحرؔ لکھنوی کا تعلق چونکہ علمی خانوادے سے تھا اس لئے ان کو شہرت اور مقبولیت حاصل کرنے میں دیر نہیں لگی اور بہت جلد وہ رثائی ادب کے فلک پر چھا گئے۔ انہوں نے سیکڑوں مراثی نظم کیے اور متعدد کتابوں کی تصنیف کی۔

ساحرؔ لکھنوی نے اپنے ایک مضمون میں یہ افسوس کے ساتھ اظہار کیا تھا کہ "۔۔۔بدقسمتی سے میں خاندانِ اجتہاد کا آخری مرثیہ گو ہوں افسوس کہ تقریباً سوا سو سال پر محیط اس عظیم خاندان کی مرثیہ گوئی کی روایت میرے ساتھ ختم ہو جائے گی۔ ہر عہد اور ہر دور کو ایک نہ ایک دن ختم ہونا ہوتا ہے۔۔۔ میں اپنے آپ کو اس عظیم خانوادے کا آخری مرثیہ گو سمجھتا ہوں یہ حقیقت ہے کہ شاعری تو خاندان سے ختم نہیں ہوئی ہے مگر میری چشم تصور میں دور دور تک خاندان میں کوئی ایسا شاعر نہیں ہے جس سے مرثیہ گوئی کی توقع کی جا سکے۔

ساحر لکھنؤ کی نماز جنازہ مولانا سید حسن ظفر نقوی کی امامت میں ادا کی گئی۔ مرحوم کی تدفین کراچی کے قبرستان وادئ حسین میں کثیر مجمع کی موجودگی میں عمل میں آئی، اس موقع پر علماء، دانشور، ادباء اعزاء و اقارب بھی موجود تھے۔ ساحر ۲۵ نومبر ۲۰۱۹ء کو انتقال کر گئے تھے۔ (۷۵)

وہ علومِ حاضرہ سے باخبر ایک پڑھے لکھے اور قادر الکلام شاعر ہیں ساحر کے ہاں قدیم و جدید رنگ کا امتزاج ملتا ہے۔ ساحر صاحب کا انداز مرثیہ گوئی اور طریقِ خواندگی میر انیس سے قریب ہے۔ مرثیہ خوانی میں وہ میر انیس کی طرح آنکھوں کا جنبش اور آواز کے زیر و بم سے کام لیتے ہیں اور مفہوم کی وضاحت کے لیے حسبِ ضرورت ہاتھوں کے اشاروں سے بھی بتاتے جاتے ہیں، البتہ ان کی آواز اور لہجے میں ایک دھیما پن ہے جو ان کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ جدید سلام گو شعراء میں وہ ایک قادرالکلام سلام گو شاعر ہیں۔ ان کی زبان اور محاورہ پر مکمل گرفت ہے۔ ساحر لکھنوی کا نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے:

جب بھی ضو اشک غمِ شبیر کی مل جائے گی
زندگی کو روشنی ہی روشنی مل جائے گی

گر مجالِ مدحتِ سبطِ نبی مل جائے گی
فن کو عظمت، فکر کو پاکیزگی مل جائے گی
کر دیا پھر میں نے خود کو وقفِ ذکرِ کربلا
میرے فکر و فن کو بھی قد آوری مل جائے گی
جب ڈبو کر آنسوؤں میں نامِ شہ لکھوں گا میں
روشنائی سے قلم کو روشنی مل جائے گی
ساغرِ حبِّ علی میں حل کرو اشکِ عزا
عشق کی لذت کو غم کی چاشنی مل جائے گی
آیئے بزمِ عزا میں سوگواروں کی طرح
آنکھ کی زینت کو اشکوں کی لڑی مل جائے گی
دکھ بھری دنیا لگا لے دل سے غم شبیر کا
ایک اس غم کے صلہ میں ہر خوشی مل جائے گی
اپنا سر عباس کے قدموں پہ رکھ دے گی فرات
نہر سے پیاسے کو دادِ تشنگی مل جائے گی
کہہ رہی تھی حرملہ سے یہ ہنسی بے شیر کی
تجھ کو موت آئے گی، مجھ کو زندگی مل جائے گی
ذکرِ شہ کرتا ہوا ساحر چلا سوئے عدم
تجھ کو آسانی سے منزل خلد کی مل جائے گی(۷۶)

خورشید بیگ میلسوی(۱۹۴۷ء۔۲۰۲۰ء)

قلمی نام خورشید بیگ میلسوی اصل نام مرزا خورشید بیگ تھا والد کا نام مرزا عبد الغفار تھا۔ بلدیہ کمیٹی میں انسپکٹر چونگیات تھے۔ ان کے والد ہندوستان سے پاکستان ہجرت کر کے آئے تھے۔ خورشید بیگ میلسوی ۱۹۴۷ء کو میلسی ضلع وہاڑی میں پیدا ہوئے۔ شاعرانہ بصیرت سے آشنائی کا اولین کریڈٹ ان کے استاد مرحوم شریف حزیں چکوالی کو جاتا ہے جنہوں نے ان کے اندر کے انسان کو شاعر کے طور پر ابھرنے کی راہ دکھائی۔ ۱۹۶۸ء میں میانوالی شفٹ ہو گئے اور وہاں گھڑی سازی کا کام شروع کر دیا اور وہیں پر شاعری کا سفر بھی جاری رکھا اور ادبی تنظیم 'بزمِ فکر' بنائی جس میں ۲۵ سے ۳۰ ارکان شامل تھے۔ ۱۹۸۶ء میں دوبارہ میلسی آ گئے اور ۱۹۹۲ء میں اپنا ہومیو کلینک بنا کر محو عمل رہے۔ ۱۲ اکتوبر ۲۰۲۰ء کو

وفات پا گئے ان کی نماز جنازہ اڑھائی بجے دوپہر جنازہ گاہ دربار نتھے شاہ (میلسی) میں ادا کی گئی۔(۷۷)ان کا نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے:

تیری شہادت کی دے رہا ہے جہاں گواہی
حسین میرا سلام تجھ پر، سلام تجھ پر
حسین صبر و رضا کے پیکر سلام تجھ پر
نبی کے دلبند جانِ حیدر سلام تجھ پر
امامِ عالی، مقام عالی ملا ہے تجھ کو
رہِ صداقت میں جان دے کر، سلام تجھ پر
تیری شہادت کی دے رہا ہے جہاں گواہی
حسین میرا سلام تجھ پر، سلام تجھ پر(۷۸)

بقائے انسانیت کی خاطر کیے ہیں قرباں
میانِ دشتِ بلا، بہتر سلام تجھ پر
تیرے ہی نقشِ قدم پہ چلتی رہے گی دنیا
حسینیت کے عظیم رہبر، سلام تجھ پر
ہر ایک لب پہ تیری شجاعت کا تذکرہ ہے
اے مردِ میدان، اے دلاور، سلام تجھ پر
تیری عزیمت کو چشمِ حیرت سے تک رہے ہیں
فلک پہ خورشید و ماہ و اختر سلام تجھ پر(۷۹)

گستاخ بخاری (۱۹۵۰ء۔۲۰۲۰)

منیر حسین گستاخؔ بخاری کی سلام نگاری فکری و فنی حوالے سے پختہ، سادہ اور عام فہم ہے۔"سلام اے فاطمہؑ کے لعل"اُن کا سلام نگاری کا مجموعہ ہے اس میں حمد، نعت، منقبت اور سلام شامل ہے۔ خلوص نیت، صداقتِ جذبات اور شدت احساس جیسی خوبیوں سے مملو اس مجموعہ کلام میں امام عالی مقام سے والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے۔ سلام بنیادی طور پر ایک اعتقادی صنف ہے۔ جس کی تہہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے گستاخ بخاری نے امام عالی مقام کے حضور خوب صورت سلام پیش کیے ہیں نمونہ سلام دیکھیے گا:

سحر ہو یا کہ شام ہو حسینؑ کو سلام ہو
یہ فعلِ خاص و عام ہو حسینؑ کو سلام ہو
وہ مصطفیٰ کا لاڈلا وہ مرتضیٰ کا لاڈلا
بلند و شاد کام ہو حسین کو سلام ہو
وہ دل، جگر ہے، چین ہے حسین تو حسین ہے
وہ جاں نثار لاالہٰ وہ عشقوں کا بادشاہ
وظیفہء مدام ہو حسین کو سلام ہو
جو خلقتاً پلید ہیں شمارہء یزید ہیں
انہی کا انہدام ہو حسین کو سلام ہو
حسین حسنِ زندگی حسین حلمِ روشنی
وہی مرا امام ہو حسین کو سلام ہو
حسین مجھ کو تھام لے منیر میرا نام لے
جو زیست اختتام ہو حسین کو سلام ہو(۸۰)

نصیر ترابی(۱۹۴۵ء۔۲۰۲۱ء)

(ولادت:۲۵جون ۱۹۴۵ء–وفات ۱۰ جنوری ۲۰۲۱ء) پاکستان سے تعلق رکھنے والے اردو زبان کے نامور شاعر، ماہر لسانیات، لغت نویس تھے۔ وہ نامور شاعر اور خطیب علامہ رشید ترابی کے فرزند تھے۔ پاکستانی ڈراما سیریل ہم سفر کے ٹائٹل گیت "وہ ہم سفر تھا مگر اس سے ہمنوائی نہ تھی" انہی کا لکھا ہوہے۔ نصیر ترابی ۱۵جون ۱۹۴۵ء کو ریاست حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آ گئے۔ ۱۹۶۸ء میں جامعہ کراچی سے تعلقات عامہ میں ایم اے کیا۔ ۱۹۶۲ء میں شاعری کا آغاز کیا۔ ان کا اولین مجموعۂ کلام عکس فریادی ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔ ایسٹرن فیڈرل یونین انشورنس کمپنی میں ملازمت اختیار کی اور افسر تعلقات عامہ مقرر ہوئے۔

نصیر ترابی نے نہ صرف پاکستان بلکہ بین الاقوامی مشاعروں میں بھی نظامت کا اعزاز حاصل کیا۔۔کافی عرصے تک کالمز بھی لکھتے رہے۔ مختلف یونیورسٹیز میں تحقیق کے طلبہ کی رہنمائی کرتے رہے اردو زبان اور اردو شاعری کے فروغ کے لئے باقاعدہ سیمینارز کا انعقاد بھی کرواتے رہے۔ میر انیس کے مرثیے پر انکا تحقیقی مقالہ بھی اہم دستاویز ہے۔۔ مختلف شعراءء کے کلام کا انتخاب بھی کئی سال شائع کرواتے رہے۔ ۲۰۱۳ میں شعریات کے موضوع پر بہت اہم کتاب تحریر کی جو اردو اساتذہ کی شاعری کو سمجھنے کے لئے طلبہ اور مدرسین کے لئے بہت اہمیت کی حامل ہے۔۔یہی کتاب مختلف اداروں نے اپنے

سلیبیس میں بھی شامل کر رکھی ہے۔ سن ۲۰۱۷ میں عقیدہ نوائی "لاریب" حمد و نعت اور منقبتوں کا مجموعہ شائع ہوا جو مخصوص حلقوں میں بہت مقبول ہے۔[۸۱] نصیر ترابی کی زبان و بیان پہ دسترس، مصرع سازی اور صناعی کے ساتھ کیفیت کو بر قرار رکھنے کی صلاحیت سے ایک دنیا واقف ہے۔ وہ ایک پر فیکشنسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک گہری نظر رکھنے والے پارکھ تھے۔ میں اپنی دانست میں نصیر ترابی کو عہدِ موجود میں سلام نگاری کا مجدد گردانتا ہوں اور مجھے یہ بات کہنے میں بھی کوئی باک نہیں کہ صنفِ سلام دراصل نگارِ سخن کا لباسِ بیوگی اور غزل اس کا لباسِ عروسی ہے۔ صنفِ سلام سوگواری کے حسن کی صورت نگاری کا نام ہے جو صرف ایک بہترین غزل گو ہی کا نصیب ہوتی ہے۔

جناب نصیر ترابی صاحب کا ایک نادر سلام پیشِ خدمت ہے:

یہ ہے مجلسِ شہِ عاشقاں کوئی نقدِ جاں ہو تو لے کے آ
یہاں چشمِ تر کا رواج ہے ، دلِ خونچکاں ہو تو لے کے آ
یہ فضا ہے عنبر و عود کی، یہ محل ہے وردِ درود کا
یہ نمازِ عشق کا وقت ہے، کوئی خوش اذاں ہو تو لے کے آ
یہ جو اک عزا کی نشست ہے، یہ عجب دعا کا حصار ہے
کسی نارسا کو تلاش کر، کوئی بے اماں ہو تو لے کے آ
یہ عَلم ہے حق کی سبیل کا، یہ عَلم ہے اہلِ دلیل کا
کہیں اور ایسی قبیل کا، کوئی سائباں ہو تو لے کے آ
یہ حضورو غیب کے سلسلے، یہ متاعِ فکر کے مرحلے
غمِ رائیگاں کی بساط کیا، غمِ جاوداں ہو تو لے کے آ
سرِ لوحِ آب لکھا ہوا، کسی تشنہ مشک کا ماجرا
سرِ فردِ ریگ لکھی ہوئی، کوئی داستاں ہو تو لے کے آ
ترے نقشہ ہائے خیال میں، حدِ نینوا کی نظیر کا
کوئی اور خطۂ آب و گِل، تہہِ آسماں ہو تو لے کے آ
کبھی کُنجِ حُر کے قریب جا، کبھی تابہ صحنِ حبیب جا
کبھی سوئے بیتِ شبیب جا، کوئی ارمغاں ہو تو لے کے آ
مرے مدّ وجزر کی خیر ہو کہ سفر ہے دجلۂ دہر کا
کہیں مثلِ نامِ حسینؑ بھی، کوئی بادباں ہو تو لے کے آ
نہ انیسؔ ہوں نہ دبیرؔ ہوں، میں نصیر صرف نصیرؔ ہوں

مرے حرفِ ظرف کو جانچنے، کوئی نکتہ داں ہو تو لے کے آ[۸۲]

دوسرا نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے:

نہ شورِ خاک نہ اب زورِ آسماں کوئی
سنو کے ہم سفر جاں ہے کارواں کوئی
یہ میری شام ہے ایسی کہ دور تک گویا
ہوائے دشت کی زنجیر میں دھواں کوئی
یہ میری شب ہے کہ ویرانیوں کا گوشہ ہے
سوائے صبر نہیں سر پہ سائباں کوئی
سلام شاموں کا اس پر سلام راتوں کا
چمک رہا ہے ستارہ سرِ سناں کوئی
درود لمحوں کا اس پر درود صدیوں کا
کہ دل میں ٹھہرا ہے جانِ پیمبراں کوئی
نصیر مدحتِ جانِ پیمبراں کے لیے
کہاں سے لائے زبانِ فرشتگاں کوئی[۸۳]

حسن عسکری کاظمی (پیدائش ۱۹۳۱ء)

حسن عسکری کاظمی پیدائشی نام اور حسنؔ تخلص ہے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو انبالہ شہر محلہ سادات قاضی واڑہ (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید محمد باقر کاظمی ہے۔ حسنؔ عسکری کاظمی شعبۂ غزل کے شہ سوار ہیں۔ ''دشتِ بے صدا'' سے گلستانِ نعت اور سلام میں وارد ہوئے ہیں۔ شعری اصناف میں کئی کتب زیور طباعت سے آراستہ ہیں۔ جب کہ تنقیدی مضامین، تبصرے خاکے، مرثیے، سفر نامے اور جائزے کے عنوان سے بھی کتب یادگار ہیں۔ شعری و نثری ادب کے ہر اول دستے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسرّت کی بات ہے کہ انھوں نے نعتیہ ادب میں اپنی سات مستند گواہیاں نعتیہ مجموعوں کی صورت میں پیش کی ہیں۔ آپ کے فن و شخصیت پر ایم فل اور ایم اے کی سطح پر تین مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ ڈاکٹر شبیہہ الحسن نے آپ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام ''حسن عسکری کاظمی کی تخلیقی جہتیں'' کئی کتب پر اول انعام حاصل کر چکے ہیں۔[۸۴] ان کا نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے:

آشنائے لذتِ ذوقِ عبادت السلام
نازشِ سرمایہ شوقِ شہادت السلام
کاروانِ عشق کے سالارِ اعظم السلام

اے غم و اندوہ کی دنیا کے آدم السلام
السلام اے شہسوارِ مرکب صبر و رضا
السلام اے مظہرِ حق پیکر صدق و صفا
السلام اے خاتمِ معراجِ ذوقِ بندگی
تیرا نقشِ غم شناسائے دوامِ زندگی
السلام اے سبطِ پیغمبر کریم ابنِ کریم
تیری مظلومی سے پیدا معنیٔ ذبحِ عظیم(۸۵)

ڈاکٹر ہلال نقوی (پیدائش ۱۹۵۰ء)

ڈاکٹر ہلال رضا نقوی ۱۸ فروری ۱۹۵۰ کو راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید مزمل حسین نقوی تھا۔ والدہ کا نام سیدہ مناظرہ خاتون تھا۔ ہلال نقوی اپنے نو بہن بھائیوں میں پانچویں نمبر پر ہیں۔ ڈاکٹر ہلال نقوی راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ اور سات سال کی عمر میں کراچی آ گئے۔ اور یہیں تعلیمی منازل کراچی میں طے کیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے قائم کردہ کالج، سراج الدولہ کالج کراچی سے بی اے کیا۔ اور ۱۹۷۳ میں جامعہ کراچی سے اردو ادب میں ایم اے کیا۔ ڈاکٹر ہلال نقوی نے ۱۹۸۵ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انکا پی ایچ ڈی کا مقالہ بیسویں صدی اور جدید مرثیہ کے عنوان سے تھا۔

شاعری کا آغاز ۱۹۶۷ میں غزل گوئی سے ہوا۔ اسکے بعد نظم کی طرف توجہ رہی۔ البتہ وہ بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ زیادہ شہرت ان کو نئی طرز کے مرثیوں کے سبب ملی، جن میں انہوں نے مسدس کے تیسرے مصرعے کو غیر مقید کر دیا اور اسکا بہت چرچا رہا۔ ڈاکٹر ہلال نقوی جدید مرثیہ نگاری کے بہت معتبر شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ جوش ملیح آبادی کے مرثیے سن کر مرثیہ گوئی کی جانب آئے اور ۱۹۷۰ میں پہلا مرثیہ کہا۔ جب وہ بی اے کے طالبِ علم تھے۔ اور جوش ملیح آبادی سے اصلاح لی۔ جوش صاحب نے اپنے ایک خط میں ان کو اپنا شاگردِ اولین لکھا ہے۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر ہلال نقوی نے مرثیہ میں جناب نسیم امروہوی کی بھی شاگردی اختیار کی۔ ان کی تصانیف درج ذیل ہیں۔ ڈاکٹر یاور عباس کے مرثیے ۲۰۱۲، جدید بیاضِ مرثیہ ۲۰۱۲، نسیم امروہوی کے مرثیے ۲۰۱۲، جوش ملیح آبادی، جمیل مظہری کے مرثیئے ۱۹۸۸، امانتِ غم (باقر امانت خانی کے مرثیے)، ۱۹۸۲ جدید مرثیے کے تین معمار ۱۹۷۷ جوش ملیح آبادی کی نادر و غیر مطبوعہ تحریریں ۱۹۹۲، اذانِ مقتل (ڈاکٹر ہلال کے مرثیے) ۱۹۹۳ بیسویں صدی اور جدید مرثیہ (مقالہ) ۱۹۹۴۔(۸۶) ان کا نمونہ سلام دیکھیے گا:

مشک و علم پہ دجلہ تخلیق کا سلام
حق پر ہلال، حرف کی توفیق کا سلام
تصدیقِ حق کی راہ میں جو ہاتھ ہیں قلم

ان پر قلم کے منصبِ تصدیق کا سلام
اٹھ کر نیاز و ناز سے پیہم سلام کر
ہاتھوں کو اے تقدسِ پرچم سلام کر
دیکھ اس علم کے سائے میں یکجا ہے کون کون

قاسم، عمیر، وہب، تمامہ، ہلال، عون
ان سب کے درمیاں علی اکبر سا خوبرو
اور ان کے ہم قدم وہ سیاہ فام، مرد جون
یہ سب جو دینِ حق کی بقا کے لیے اٹھے
زینب کے ہاتھ سب کو دعا کے لیے اٹھے[۸۷]

اکرم سعید اکرم (پیدائش ۱۹۵۱ء)

اکرم حسین اکرم اپنا قلمی نام اکرم سعید اکرم کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یکم اگست ۱۹۵۱ میں چیچہ وطنی میں پیدا ہوئے تاحال وہیں پر مقیم ہیں۔[۸۸] نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے:

سلام تجھ پر امامِ عالی، سلام تیرے جمال پر ہو
زمانہ گزرا جو کم سنی میں سلام ہر ماہ و سال پر ہو
سوار دوشِ رسولِ حق پر گلاب چہرے پہ مسکراہٹ
وہ چوم لینا نبی کا جس کو سلام اس مکھ نہال پر ہو
حسین تیرا جو حکم ہوتا تو پھوٹتے کربلا میں چشمے
فرات قدموں میں آ کے کہتا سلام ہاشم کی آل پر ہو
سلام آلِ نبی پر میرا سلام صبر و رضا پہ ہر دم
سلام بنتِ بتول تجھ پر سلام تیرے جلال پر ہو[۸۹]

سلام بادِ صبا کو میرا جو چومے مکھڑا حسین تیرا
کی گرد چہرے سے صاف جس نے سلام زینب کی شال پر ہو
ہے آلِ احمد سے عشق اکرم میں ان کا عاجز غلام ہوں اِک
سلام لاکھوں ہی بار میرا جناب زہرا کے لال پر ہو(۹۰)

عبد الغنی تائب (پیدائش ۱۹۵۴ء)

عبد الغنی تائب ولد محمد اسماعیل، انصاری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آباواجداد کا تعلق ضلع امر تسر (انڈیا) کی تحصیل جنڈیالہ کے ایک گاوں "مہربان پورہ" سے تھا، وہ ذاتی طور پر پارچہ بافی یعنی کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔ ساتھ ہی انہوں نے دوسروں کی زمینوں میں مزارع کی حیثیت سی کھیتی باڑی کو بھی ذریعہ معاش بنایا ہوا تھا۔ قیام پاکستان کے اعلان کے بعد وہ ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ پہلے چند ماہ سرگودھا کے گائوں چک نمبر ۲۳ جنوبی میں رہے، پھر حافظ آباد میں اندرون سرکلر روڈ محلہ قتل گڑھا (جسے بعد میں محلہ حسین پورہ کا نام دے دیا گیا) مستقل سکونت اختیار کر لی۔ عبد الغنی تائب کو شروع ہی سے مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔ ان کے ہاں ایک وسیع ذاتی کتب خانہ ہے جس میں مختلف النوع موضوعات پر ہزاروں کتب موجود ہیں خصوصا" نعت نگار ہونے کے حوالہ سے نعت کی کتب کثیر تعداد میں ہیں۔ ان کے چچا معروف عالم دین، مجاہد تحریک ختم نبوت و نظام مصطفیٰ 'مولانا عبد الستار انصاری چشتی نظامی رح کے ہاں بہت بڑا کتب خانہ تھا جس سے استفادہ کرنا معمول رہا۔

مطالعہ کے اثرات و ثمرات اور کچھ فطری رجحانات نے انہیں شعر و سخن کی طرف مائل کیا، اس کے علاوہ مذہبی و اصلاحی محافل، علمی و ادبی مجالس اور مشاعروں میں باقاعدہ شرکت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور ان کے ادبی ذوق و جذبہ کو جلا بخشی۔ گھر کا ماحول دینی و روحانی تھا، اس لئے مذہبی و اصلاحی فضا میں حمد و نعت کی طرف رجحان فطری ہے۔

شروع شروع میں "عاجز" تخلص کیا لیکن یہ عارضی ثابت ہوا۔ کالج کے ابتداءئی ایام میں انہیں حضرت حفیظ تائبؒ کی نعتیں سننے اور پڑھنے کا موقع ملتا رہا۔ وہ ان کی بلندیء فکر اور قوت اظہار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ شرف زیارت و ملاقات کے لئے بیقرار ہو گئے۔ حفیظ تائب ان دنوں واپڈا میں ملازم تھے اور حافظ آباد کے قریں ہی سکھیکی میں تعینات تھے، محکمہ تعلیم میں وہ بعد میں آئے۔ ملاقات میں موزونیء طبع کی حوصلہ افزائی فرمائی اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔ یوں ان سے متاثر ہو کر تخلص عاجز سے "تائب" رکھ لیا اور اسے اپنے نام کا لازمی جزو بنا لیا۔ عبد الغنی تائب اس خوش بختی پہ ہمیشہ نازاں رہتے ہیں کہ حفیظ تائب ان کی دعوت پر کئی دفعہ حافظ آباد تشریف لائے۔

کالج لائف میں حافظ آباد کے "بابائے اردو" پروفیسر شیخ رفیق احمد سے کسی حد تک اکتساب فیض کیا لیکن اردو و فارسی کے جید استاذ، درویش صفت شاعر جناب اے آر انور القادری قلندری کے آگے زانوئے تلمذتہ کیا۔ پھر ۱۹۸۰ میں جب حافظ آباد میں "بزم نعت پاکستان" کا قیام عمل میں آیا اور فروغ نعت کی اس تنظیم کے سرپرست ممتاز نعت نگار و محقق و نقاد پروفیسر محمد اکرم رضا (صدر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ) مقرر ہوئے تو مشق سخن کے سلسلہ میں ان سے اصلاح و

مشاورت شروع کر دی جو ان کی وفات تک رہی۔ اپنے ان اساتذہ کرام کے علاوہ دیگر اساتذہء فن محترم طالب حجازی، جاوید حیات دیوانہ، صوفی غلام مصطفیٰ قمر اور بابا جی محمد اسحاق انصاری سے بھی گاہے گاہے مشاورت رہی۔[۹۱] ان کا نمونہ سلام دیکھیے گا:

السلام اے فاتح کرب و بلا
السلام اے جانِ تسلیم و رضا
السلام اے وارثِ دینِ نبی
السلام اے برگزیدہء خدا
السلام اے راکبِ دوشِ رسول
السلام اے جانشینِ مرتضیٰ
السلام اے دیں کے عنوانِ جلی
السلام اے مصدرِ کانِ ہدیٰ
السلام اے وارثِ خیبر شکن
السلام اے ناصرِ دینِ ہدیٰ
السلام اے ذی وقار و ذی حشم
السلام اے کعبہ دل کی صدا[۹۲]

طاہر ناصر علی (پیدائش ۱۹۵۹ء)

طاہر ناصر علی نے مدحت کے پھول اس کثرت کے ساتھ صفحہ قرطاس پر پھیلانے کا عزم کر رکھا ہے کہ ان کے ہاں چمنستان مودّت کِھلا دیتا ہے جس کی تازگی میں خوشبوئے وفا مشامِ جاں کو معطر رکھتی ہے۔ وہ روایات اور مودت اہل بیتؑ کی شاہراہ پر چلتے ہوئے مدحت کی وادی بے خار میں قدم رکھتے ہیں اور اپنے قاری کو اس سرسبز و شاداب مرغزارِ محبت میں خیمہ زن ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

طاہر ناصر علی طاہر تخلص کرتے ہیں۔ طاہر کا شمار جدید دور کے شعراءء میں ہوتا ہے۔ وہ ۲۳ جولائی ۱۹۵۹ کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم سید رفاقت علی شاہ انجمن حسینیہ گجرات کے جنرل سیکرٹری تھے چنانچہ مجالس کا اہتمام کیا جاتا تو طاہر بھی ابھی آنے والے شعراءء اور علماء سے کسب فیض کرتے تھے۔ بچپن ہی سے شعر و شاعری سے لگاؤ تھا شعری ماحول نے ان کے اِس ذوق کی آبیاری کی اور جلد ہی شعر کہنے لگے شاعری کی اصلاح کے لیے انہیں زیبا ناروی اور استاد الاساتذہ سید وحید الحسن ہاشمی کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ غزل منقبت اور سلام میں طبع آزمائی کرتے ہیں ان کے مجموعہ ہائے کلام فرات

نجات (سلام)، محبتوں کے دکھ (غزل)، مہکنے لگا پیکر اپنا (غزل)، رزقِ مودت، شائع ہو چکے ہیں۔ تشنہ لبی کے عنوان سے انہوں نے معروف شعراء کے سلاموں کا ایک مجموعہ ۲۰۰۰ میں شائع کیا۔ [۹۳] طاہر ناصر علی کا نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے:

شہیدِ دشت کربلا سلام آپ پر سلام
سکونِ قلبِ فاطمہؑ سلام آپ پر سلام
دکھا دیا ہے آپ نے کہ حق ہی سر بلند ہے
گلا اگرچہ کٹ گیا سلام آپ پر سلام
علیؑ کی شان لا فتیٰ حسن کی خوئے دلربا
یہ سب خزینہ آپ کا سلام آپ پر سلام
یہ مجلسیں، یہ محفلیں، یہ ساری مدح خوانیاں
پکارتی ہیں برملا سلام آپ پر سلام
یزید سرنگوں ہوا اور آپ سرخرو ہوئے
یہ ایک دن میں ہو گیا سلام آپ پر سلام
اجاڑ سے مقام پر بہا ہے خون آپ کا
ملی ہے دین کو بقا سلام آپ پر سلام
یہ طاہرِ حزیں جو ہے غلام آپ ہی کا ہے
اسے بھی خلد ہو عطا سلام آپ پر سلام [۹۴]

سلام ان پہ کہ جن لبوں پر نفس نفس اک یہی صدا ہے
کہ مرتے مرتے بھی آلِ احمدؑ کا ذکر ہم کُو بہ کُو کریں گے
سلام زینب پہ جن کی جرات نے کربلا کو حیات بخشی
ہم ان کے پیغام کی اشاعت بہ ہر نفس چار سُو کریں گے [۹۵]

نصیب ہوتا ہے طاہر جسے حسینؑ کا غم
سلام کرتا ہے ان کا انہیں مقدر بھی [۹۶]

تبسم قادری (پیدائش۱۹۶۸ء)

عبدالخالق تبسم قادری یکم جنوری ۱۹۶۸ کو غلام محمد آباد فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ وہ فیصل آباد کے نعتیہ حلقوں میں ایک فعال کارکن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اہم نعت گو کے طور پر معروف ہیں مرحوم صائم چشتی کے شاگردوں میں سے ایک خاص شاگرد ہیں اور تاحال غلام محمد آباد میں مقیم ہیں ان کے دو شعری مجموعے چھپ چکے ہیں "درود پڑھتے ہوئے اور "انوارِ مودت" اکثر محافلِ نعت میں نعت کے ساتھ ساتھ منقبت بھی کہتے ہیں۔[۹۷] ان کی اہمیت نعت اور سلام کی صنف میں مؤثر سادہ کاری کے سبب ہے یہ سادگی انہیں ایسے لب و لہجہ کے حامل ٹھہراتی ہے جو عوام الناس کے نزدیک اثر اور قبولیت کی کلید ہے۔ تبسم قادری نے اپنے من میں عقیدت و محبت کے چراغ روشن کیے ہیں اور اپنے اسلوب کو ابلاغ اور ترسیل کے قریب رکھا ہے۔ ان کے سلام میں لہجے کی مٹھاس دیکھیے گا:

جانِ زہرا و حیدر پہ لاکھوں سلام
یعنی سبطِ پیمبر پہ لاکھوں سلام
وارثِ خلد و کوثر پہ لاکھوں سلام
سب شہیدوں کے رہبر پہ لاکھوں سلام
دشتِ کربل کو جس نے معلیٰ کیا
اعلیٰ و عالی برتر پہ لاکھوں سلام
باندھ کر سہرا جو سوئے مقتل چلا
مظہرِ شانِ شبر پہ لاکھوں سلام
جس کی چھاتی پہ پھل برچھیوں کے لگے
جانِ شبیرؑ اکبرؑ پہ لاکھوں سلام[۹۸]

وہ علمدار جس کے ہیں بازو کٹے
اس وفاؤں کے پیکر پہ لاکھوں سلام
وہ تبسم جو پیاسی جہاں سے گئی
ابنِ زہرا کی دختر پہ لاکھوں سلام[۹۹]

سید کامی شاہ

سید کامی شاہ دبستان کراچی کے نوجوان شاعر ہیں انکی شعری اسلوب کی بات کریں تو بالکل اور کتاب کا اسلوب ہے نظم اور غزل ہر صنف میں شعر کہتے ہیں سلام اور منقبت میں خاصا کمال حاصل ہے ان کا پہلا شعری مجموعہ تجھ بن ذات ادھوری ہے "غزل اور نظم پر مبنی تھا اور تازہ مجموعہ کلام "قدیم "جو غزلیہ مجموعہ ہے جسے نہ صرف اہل علم وادب نے سراہا ہے بلکہ پاکستان کے تمام بڑے دبستانوں میں کافی شہرت ملی۔ان کا نمونہ سلام ملاحظہ کیجیے:

لہو میں ڈوبے ہوئے اے رخِ جمال سلام
سلام فاطمہ زہراؑ، علیؑ کے لال سلام
سلامتی ہے سراسر تیرا خرام و قیام
سلام تجھ پہ محمد نبی کی آلؑ سلام
تری طرح سے گزارا نہیں کسی نے اسے
سو شامِ سرخ نے بھیجا ہے تجھ کو لال سلام
بلند ہوتا ہوا دین و دستِ سرخ بلند
درود پڑھتی ہوئی تیغِ پُر جلال سلام
غروب ہوتا ہوا آفتابِ عاشورہ
لہو سے ریت پہ لکھتا ہے لازوال سلام
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سلام تم پہ شہیدانِ بے مثال سلام(۱۰۰)

واجد امیر

واجد امیر عہدِ حاضر کے مستند اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔جن کا کلام ہر عمر اور ہر ذوق کے حامل قارئین میں یکساں مقبول ہے۔واجد امیر غزل گو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ کتاب نعت گو شاعر کے عہدے پر بھی فائز ہیں۔ان کا پہلا نعتیہ مجموعہ ۲۰۱۳ میں "اذن کے نام سے شائع ہوا۔ان کا نمونہ سلام دیکھیے گا:

سلام ڈھلتی ہوئی شام کے کناروں پر
سلام ٹوٹ کے گرتے ہوئے ستاروں پر
سلام ابنِ نبیؐ، ابن بوترابؑ و بتولؑ
سلام اس پہ جسے چھو سکی نہ وقت کی دھول

سلام اسپِ نقاہت کے شہسواروں پر
سلام عالمِ غربت کے تاجداروں پر
سلام روندی ہوئی آلِ بے کفن پر سلام
دیارِ غیر میں اجڑی اس انجمن پہ سلام
دعائیں بجھتی رہیں ہو اور ہاتھ چھٹتے رہے
سلام ان پہ جو اپنی زمین پہ لُٹتے رہے
سلام ان پہ سلامت رہے نہ جن کے بدن
نہ جن کے اٹھے جنازے جنہیں ملا نہ کفن
سلام اس پر جو فاتح رہا لڑا بھی نہ تھا
سلام اس پہ جسے پیاس کا پتا بھی نہ تھا[۱۰۱]

حوالہ جات

۱۔ حفیظ تائب: "وسلمو تسلیما" مقبول اکیڈمی شاہدرہ قائد اعظم، لاہور، ۱۹۹۰، ص۲۵

۲۔ ایضاً، ص۷۰

۳۔ ایضا، ص۷۱

۴۔ حنیف اسعدی: "آپ" اقلیم نعت شادمان ٹاؤن نمبر ۲ کراچی، ۱۹۹۶، ص۸

۵۔ ایضاً، ص۱۴۱

۶۔ ایضاً، ص۱۴۲

۷۔ مظفر وارثی: "صاحب التاج" علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۰، ص۱۲

۸۔ ایضاً، ص۱۸۹

۹۔ مظفر وارثی: (سلام) مشمولہ "تجلیات" (مرتبہ) ذکی کاکوروی، نظامی پریس لکھنؤ، ۱۹۳۷، ص۲۱۱

۱۰۔ خالد مصطفیٰ: ”وفیات پاکستانی اہل قلم“، فکشن ہاوس پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۴، ص۲۴

۱۱۔ اداجعفری: (سلام) مشمولہ "نعت کائنات" (مرتبہ) راجا رشید محمود، جنگ پبلشرز، لاہور ۱۱۹، ۱۹۷۳

۱۲۔ ارشد صابری: "سوئے حرم" جہان حمد پبلی کیشن کراچی، ۲۰۱۱، ص۷

۱۳۔ ایضاً، ص۱۴۰

۱۴۔ ایضاً، ص۱۴۱

۱۵۔ ریاض حسین چودھری: "خلد حسین" خزینہ علم وادب، لاہور، ۱۹۹۹، ص۱۵

۱۶۔ ایضاً، ص۱۱۲

۱۷۔ ایضاً، ص۱۱۳

۱۸۔ امیر نواز امیر: "تُو ہی تُو چار سُو" ہم خیال پبلشرز امین پور بازار فیصل آباد، ۲۰۰۲، ص۱۶

۱۹۔ ایضاً، ص۶۱

۲۰۔ ایضاً، ص۶۵

۲۱۔ ابوالامتیاز، ع س مسلم: "حمد و نعت" مقبول اکیڈمی چوک انار کلی، لاہور، ۱۹۸۴، ص۶

۲۲۔ ایضاً، ص۲۰۳

۲۳۔ ایضاً، ص۲۰۴

۲۴۔ اضاً، ص۲۰۵

۲۵۔ ایضاً، ص۲۲۵

۲۶۔ اعجاز رحمانی: "آسمانِ رحمت" ڈان پرنٹنگ پریس ناظم آباد کراچی، ۲۰۰۵، ص۹

۲۷۔ ایضاً، ص۱۴۵

۲۸۔ گستاخ بخاری: "نعت خط" مثال پبلشرز امین پور بازار فیصل آباد، ۲۰۱۷، ص۱۳

:۲۹ ایضاً، ص۱۱۵

۳۰۔ آثم فردوسی: "سفیر کائنات" (مجموعہ نعتیہ قطعات)، حلقہ حروفِ احباب لاہور، ۲۰۱۳ ص۵

۳۱۔ ایضاً، ص۱۰

۳۲۔ ایضاً، ص۱۱

۳۳۔ ایضاً، ص۱۲

۳۴۔ حافظ محمد عبدالجلیل: "مہکار مدینے کی" انٹرنیشنل نعت مرکز پبلی کیشنز بھاٹی چوک لاہور، ۲۰۱۸، ص۱۱

۳۵۔ ایضاً، ص۱۴

۳۶۔ ایضاً، ص۱۵

۳۷۔ صبیح رحمانی: "کلیاتِ صبیح" (مرتب ڈاکٹر شہزاد احمد)، دارالاسلام اندرون بھاٹی دروازہ لاہور، ۲۰۱۹، ص۲۱

۳۸۔ صبیح رحمانی: "ماہ طیبہ" مشہور آفسٹ پریس کراچی، ۱۹۹۸، ص۱۱۱

۳۹۔ صبیح رحمانی: "کلیاتِ صبیح" (مرتب ڈاکٹر شہزاد احمد)، دارالاسلام اندرون بھاٹی دروازہ لاہور، ۲۰۱۹، ص۸۱

۴۰۔ پروفیسر ریاض قادری: "نکہتِ گل" سنگت پبلی کیشنز فیصل آباد، ۱۹۹۹، ص۱۳

۴۱۔ ایضاً، ص۱۲۳

۴۲۔ ایضاً، ص۱۲۴

۴۳۔ مسعود چشتی: "بارشِ انوار" ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی، ۲۰۰۰، ص۱۶

۴۴۔ ایضاً، ص۱۶۹

۴۵۔ ایضاً، ص۱۷۰

۴۶۔ اشفاق احمد غوری: "صراطِ نور" بی پی ایچ پرنٹرز لاہور، ۲۰۱۷، ص۷

۴۷۔ ایضاً، ص۶۵

۴۸۔ اشفاق احمد غوری: "صراط خلد" شعبہ نعت درود و سلام جلال پور پیر والہ، ۲۰۱۹، ص۱۷۶

۴۹۔ منظر پھلوری: "ارحم عالم" (غیر منقوط نعتیہ کلام)، جہاں احمد پبلیشرز اردو بازار کراچی، ۲۰۱۳، ص۴

۵۰۔ ایضاً، ص۱۰۷

۵۱۔ مبشر حسین فیضی: ثناء کے پھول "بقیع پرنٹنگ پریس امین پور بازار فیصل آباد، ۲۰۰۷ ص۲۷

۵۲۔ ایضاً، ص۱۳۷

۵۳۔ نصیر احمد اختر: "میری آرزو مدینہ" سلیم نواز پریس فیصل آباد، ۲۰۱۴، ص۱۲۸

۵۴۔ راشد آفریں: "فخر دو عالم" الحمد پبلی کیشنز پرانی انار کلی لنک روڈ، لاہور، ۲۰۱۳، ص۶۷

۵۵۔ ایضاً، ص۶۸

۵۶۔ محمد آصف قادری: "مہر حرا" فیض الاسلام پرنٹنگ پریس راولپنڈی، ۲۰۱۳، ص۱۰

۵۷۔ ایضاً، ص۱۹۱

۵۸۔ ساجد ڈھلوں: "صدائے ساجد" گنج شکر پرنٹرز لاہور، ۲۰۱۰، ص۱۳

۵۹۔ ایضاً، ص۱۵

۶۰۔ پروفیسر سردار نقوی: "گریہ فرات" ابن حسن آفسٹ پریس، کراچی، ۱۹۹۹، ص ۷
۶۱۔ ایضاً، ص ۶۶
۶۲۔ ایضاً، ص ۱۵۵
۶۳۔ پیر سید نصیر الدین: "فیض نسبت" مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف اسلام آباد، ۲۰۰۶، ص ۹
۶۴۔ ایضاً، ص ۱۹
۶۵۔ شاہد نقوی: "کرب جاوداں" پاکستان انٹرنیشنل حسنین آرگنث، ۱۹۹۲، ص ۱۱
۶۶۔ ایضاً، ص ۴۶
۶۷۔ ایضاً، ص ۵۱
۶۸۔ وحید الحسن ہاشمی: "چراغ صحرا" حلقہ مصنفین پاکستان، لاہور، ۱۹۸۳، ص ۶
۶۹۔ ایضاً، ص ۲۵
۷۰۔ ایضاً، ص ۳۴
۷۱۔ پروفیسر سمیع اللہ قریشی: "حصار" شام کے بعد پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰ ص ۸۱
۷۲۔ مشکور حسین یاد: "مفہوم کربلا" شاہراہ ادب، ملتان، ۱۹۷۴، ص ۱۱
۷۳۔ ایضاً، ص ۶۳
۷۴۔ مرتضیٰ حسین فاضل: "آیات مقتل" (پیش لفظ)، مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک انار کلی، لاہور، ۱۹۹۳، ص ۰۹
۷۵۔ ساحر لکھنوی: "ماہنامہ خیر العمل" (ساحر لکھنوی نمبر)، حلقہ فکر و نظر پاکستان، ۲۰۱۱، ص ۲۷
۷۶۔ ایضاً، ص ۲۸۶
۷۷۔ خورشید بیگ میلسوی: "فرات فکر" حلقہ اہلِ قلم مال روڈ لاہور، ۲۰۱۲، ص ۱۶
۷۸۔ ایضاً، ص ۱۸۰
۷۹۔ ایضاً، ص ۱۸۱
۸۰۔ گستاخ بخاری: "حسین زندہ باد" مثال پبلشرز امین پور بازار فیصل آباد، ۲۰۰۸، ص ۵۱
۸۱۔ نصیر ترابی: "لاریب" پیراماؤنٹ پبلشنگ انٹرپرائز، کراچی، ۲۰۱۷ ص ۴
۸۲۔ ایضاً، ص ۶۲
۸۳۔ ایضاً، ص ۱۶۰
۸۴۔ حسن عسکری کاظمی: "مقصودِ کائنات" الحمد پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵، ص ۱۳
۸۵۔ ایضاً، ص ۱۵۲
۸۶۔ ڈاکٹر ضمیر اختر نقوی: ''اردو مرثیہ پاکستان میں'' شیخ شوکت علی اینڈ سنز آفسٹ پرنٹرز، ۱۹۸۲، ص ۵۱۷
۸۷۔ ڈاکٹر ہلال نقوی: (سلام) مشمولہ "سلام یا حسین" (مرتبہ) مکرم حسین زم زم، المجاہد پبلشرز جی روڈ گوجرانولہ، ۲۰۱۹ ص ۸۵
۸۸۔ اکرم سعید اکرم: "فیضانِ نعت" احسن پبلشرز فیصل آباد، ۲۰۱۰ ص ۴
۸۹۔ ایضاً، ص ۸۹
۹۰ ایضاً، ص ۹۰

۹۱۔ عبدالغنی تائب: "جانِ سخن" بزم نعت پاکستان حافظ آباد، ۲۰۱۱، ص ۱۱

۹۲۔ ایضاً، ص ۱۱۴

۹۳۔ طاہر ناصر علی: "عطائے آلِ عبا" عسکری پبلی کیشنز سمن آباد لاہور، ۲۰۱۲، ص ۱۱۵

۹۴۔ ایضاً، ص ۱۲۳

۹۵۔ ایضاً، ص ۱۲۸

۹۶۔ طاہر ناصر علی: "کربلا سفر میں ہے" الحسن پبلی کیشنز رحمان پورہ لاہور، ۲۰۰۶، ص ۸۹

۹۷۔ تبسّم قادری: "انوارِ مودت" چشتی کتب خانہ فیصل آباد، ۲۰۱۲، ص ۱۱

۹۸۔ ایضاً، ص ۱۷۸

۹۹۔ ایضاً، ص ۱۸۹

۱۰۰۔ سید کامی شاہ: "قدیم" سامیہ پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۱۸ ص ۲۸

۱۰۱۔ واجد امیر: (سلام) مشمولہ "سلام یا حسین" (مرتبہ) مکرم حسین زم زم، المجاہد پبلشرز جی روڈ گوجرانوالہ، ۲۰۱۹ ص ۸۸

ماحصل

اس مقالہ میں سلام کی صنف کے وجود میں آنے سے لے کر ترقی کی منزلیں طے کرنے تک ان تمام فنی،ہیئتی اور مقصدی پہلوؤں کو زیرِ بحث لانے کے ساتھ حتی الامکان ایسے ضروری اشارے اور وضاحتیں کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن کا ذکر کرنا تحقیقی اور تنقیدی نقطہ نظر سے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اردو شاعری کا مزاج داخلی تھا آدمی کے ذہن و دل میں جو خیالات پیدا ہوتے تھے ان کا اظہار کلام میں کر دیا جاتا تھا۔ قدرت نے انسانی جسم میں جذبات کی نشو و نما کی تھی ان میں محبت کا جذبہ بڑا دیرپا اور زود اثر تھا۔ اس لیے قدیم شعراء نے اپنی شاعری کا مرکز محبت کو بنایا۔ فرق یہ تھا کہ ظاہری انسانی محبت کے پسِ پشت خدا کی محبت کا جذبہ پیش کیا جاتا تھا۔ قدیم اردو شاعری میں زیادہ تر محبوب خدا ہی تسلیم کیا گیا ایک تو اس کی محبت دین و ایمان کا حصہ تھی دوسرے یہ کہ شعراء اپنے دل کی بھڑاس بڑے محتاط انداز میں نکال لیا کرتے تھے۔

جب نظریات میں تبدیلی ہوئی اور مذہب نے اپنے پاؤں مستحکم کر لیے تو ان ہستیوں کی طرف محبت کا قافلہ مڑ گیا جنھوں نے اسلام کے لیے اپنا تن من دھن لٹا دیا۔ صوفی شعراء نے تصوف کے اشعار میں خدا کی ذات اور کائنات کا تذکرہ کیا لیکن کچھ شعراء نے اپنے محبوبِ خدا کے حسن کا اور جذبات و خیالات کا ذکر کرنا اپنی سعادت سمجھا یہیں سے اردو میں نعت نگاری اور سلام نگاری کی ابتداء ہوئی۔

۶۱ ہجری کے بعد کربلا کے واقعہ نے اسلامی سیاست کا رخ موڑ دیا امام حسین علیہ السلام اور ان کے اعزاء کی قربانی نے لوگوں میں فکر و عمل کا جوش بھر دیا عمل کے مقابلے میں رد عمل، ظلم و جبر کے مقابلے میں بے کس و بے چارگی، تخت کے مقابلے میں درویشی اور بادشاہت کے مقابلے میں امامت کا تصور ابھر کر سامنے آیا۔ اسلامی ملکوں میں اس واقعے نے لوگوں کے دلوں میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس تناظر میں حسینؑ تحریک آزادی کا نشان اور یزید جبر و بربریت کی علامت سمجھا گیا۔ جگہ جگہ پر عوامی انقلابات آئے حکومتیں بدلیں لوگوں کے نظریات بدلے شعراء نے واقعہ کربلا پر طویل نظمیں اور مثنویاں لکھیں اور مرثیے لکھے گئے۔ انہیں کے ساتھ ساتھ سلام نگاری کا بھی پودا لگایا گیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد واقعہ کربلا کے تاثر میں غم واندوہ کی فضا غالب تھی اس لیے سلاموں میں یا تو واقعات دہرائے گئے یا مصائب کا تذکرہ کیا گیا۔ اب سلاموں کی فضا میں ایک عام سی تبدیلی نظر آنے لگی سلاموں میں پہلے واقعاتِ کربلا بیان ہوتے تھے اور مصائب کا تذکرہ کیا جاتا تھا اب ان میں اخلاقی مضامین اور نعتیہ سلاموں کا معتبر رنگ نظر آتا ہے۔ اِس عہد میں نعتیہ سلام لکھنے والے شعراء کی ایک خاصی تعداد نظر آتی ہے ان کا تاثر یہ ہوا کہ غزلوں کی تکنیک سلام میں در آئی اور پورے پاکستان میں مسالموں کا رواج شروع ہو گیا۔

مسالموں کے رواجِ عام کی وجہ سے اردو غزلوں کا ابتذال بہت حد تک کم ہونے لگا۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں روس میں انقلاب آ گیا روس ہندوستان کا پڑوسی ملک تھا وہاں عوام نے بادشاہ سے تخت و تاج چھین کر شاہی کا خاتمہ کر دیا۔

روس کے انقلاب سے اہلِ ہند کا متاثر ہونا بہت ضروری تھا چنانچہ پوری اردو شاعری کا رخ مادرِ وطن کی آزادی کی طرف مڑ گیا اور ظلم کے خلاف نفرت کے جذبات نمایاں ہونے لگے۔ سلام نگار شروع ہی سے یزیدی ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھا رہے تھے اور پورا ہندوستان سلام نگاروں کی آواز میں آواز ملانے لگا انگریزوں نے ہندوستان پر تشدد بر قرار رکھا۔ ہزاروں لیڈر قید کیے لیکن ظالموں، جابروں، قاتلوں کے خلاف نفرت کم نہ کر سکا۔ اور اسی قسم کے باغیانہ رجحانات کا اظہار سلاموں میں نظر آتا ہے جب اسی قسم کے خیالات سلاموں میں پیش کیے جانے لگے تو ترقی پسندی تحریک جاری ہوئی اور غزلوں کا سارا پرانا سانچا تبدیل ہو کے رہ گیا۔ اب عشق و عاشق، گل و بلبل، شمع و پروانہ کی بجائے وطن کی محبت اور آزادی کے جذبے کا اظہار کیا جانے لگا۔ غزلوں کی اس تبدیلی سے نظموں کو عروج ملا اور دوسرے بہت سے شعراء سامنے آئے اسی زمانے میں نجم آفندی کی شکل میں ایک شخصیت مل گئی۔ نجم آفندی انگریزی حکومت کے شدید مخالف تھے اس لیے انہوں نے اپنے سلاموں میں تخت و تاج شاہی اور حکومت کے ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کی اور انہیں کے ساتھ بہت سے شعراء منظر عام پر آئے اس طرح تقسیم ہند سے قبل سلاموں کے ذخیرے میں بہت اضافہ ہوا اور سلام آزادی، اخوت، مساوات اور حریتِ فکر کا مظہر بن کر سامنے آیا۔

قیام پاکستان کا مطالبہ دو قومی نظریے کی پیداوار تھا جس کا واضح مقصد یہ تھا کہ مسلمان ایک ایسا ملک چاہتے ہیں جہاں وہ اپنے مذہبی رسومات اپنے عقائد کے لحاظ سے ادا کر سکیں اور ہندوستان میں اسلام کے ساتھ ساتھ جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے اسے ختم کر کے قرونِ اولیٰ کی اسلامی تہذیب کو ابھارا جائے اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ مسلمان پاکستان میں اسلام کا نشاۃِ ثانیہ چاہتے تھے اس نقطہ نظر سے جب مذہبی فضا ابھری تو خدا اور رسولؐ کے ساتھ ساتھ آل رسولؐ کا امیج بھی ابھر کر سامنے آیا اور ذکر شہادت امام حسین علیہ السلام گلی گلی کوچے میں ہونے لگا۔ اس صورتحال کے پیش نظر شعراء کی ایک کثیر تعداد سلام نگاری کی طرف مائل ہوئی اس کے علاوہ ریڈیو ٹی وی نے بھی سلام نگاری کے فن کو بہت عروج دیا مولانا احمد رضا بریلوی کی اتباع میں کئی نعتیہ سلام لکھے گئے۔ اردو نعت کے نامور شعراءء نے اس دور میں بہت سے نعتیہ سلام لکھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ملنے والی آزادی نے ایک ایسی روحانی فضا پیدا کی جس کے ذریعے دل و جاں میں پاکیزگی پیدا ہوئی اور وفورِ جذبات کو عقیدت و احترام سے سلاموں میں بیان کیا جانے لگا اس دور میں سلام امام عالی مقام علیہ السلام پر لکھے گئے ان کے موضوعات متنوع نظر آتے ہیں جس میں اخلاقی محاسن کا پہلو، سیاسی و سماجی اثر اور انقلابی رجحانات نظر آتے ہیں۔

جب کہ آنحضورؐ کی ذات بابرکت پر جو تاحال سلام لکھے جا رہے ہیں اس میں جذبہ عقیدت کو نہایت ادب و احترام سے بیان کیا گیا اور لفظِ سلام بارہا مستعمل ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ نعتیہ سلام کا بنیادی محرک جذبہ عشق رسولؐ ہے عشق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حرارت و شدت ہی شاعر کو سلام گوئی کی طرف کھینچ لیتی ہے اور فکری و فنی بے سروسامانی کے باوجود اس میدان کا مسافر بنا دیتی ہے۔ نعتیہ سلام میں طبع آزمائی کرنا ایک پُر خطر وادی میں قدم رکھنے کے مطابق ہے کیونکہ ایک ادنیٰ سی لغزشِ پا اس راہ کے راہی کے لیے دارین کی ہلاکت کا پیشِ خیمہ بن جاتی ہے۔ نعتیہ سلام ایک مشکل ترین صنف

ہے یہاں تغزل اور ادب و احترام میں ایک کشمکش سی برپا ہونے لگتی ہے۔ شعریت تقاضا کرتی ہے شوخی و رنگینی کا اور سلام مطالبہ کرتا ہے ادب و احترام کا تغزل کی شوخی حدودِ ادب کو پھاندنا چاہتی ہے اور ادب و احترام شعری رنگینی کو بے کیف سا بنانے لگتا ہے ان دونوں عناصر کو یکجا کرنا یقیناً دشوار ہوتا ہے۔

شاعری کی یہ صنف بڑی نزاکتوں کی حامل ہے اس میں تمام شاعری کی طرح مبالغہ اور غلو کی گنجائش نہیں۔ جذبات کی فراوانی میں حدِ ادب سے تجاوز کرنا بھی توحید خداوندی کے معلمِ اعلیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تعلیمات کے خلاف ہے اور ان کی شان میں گستاخی کے مترادف ہے۔ نعتیہ سلام ایک ارفع اور نازک مقام ہے ارفع اس لیے کہ جس ذاتِ اقدس کی تعریف مالکِ کون و مکاں کرتے ہیں، اس کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے اور نازک اس لیے کہ احتیاط کے تقاضے کڑے ہیں۔ قلم اور زبان کی ہلکی سی لغزش ایمان کے آبگینے کو ٹھیس پہنچا سکتی ہے۔ میرے نزدیک نعتیہ سلام ایک ایسی نمازِ نیاز ہے جس کے لیے صدقِ دل، آبدیدہ اور خونِ جگر کی ضرورت ہے جب تک دل کے خون سے کشید ہونے والے آنسوؤں سے وضو نہ کیا جائے سلام نگاری میں کیف آ ہی نہیں سکتا۔ نعتیہ سلام وہ واحد مقام ہے جہاں بندہ و مولا ایک مرکز پر آجاتے ہیں کہ خدا بھی درود بھیجتا ہے اور بندہ بھی۔

نعتیہ سلام جس قدر مقدس فن ہے اتنا ہی مشکل فن بھی ہے کیونکہ یہاں شاعر کو پروازِ تخیل میں بار بار آدابِ رسالت کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ ہر اچھا شاعر سلام میں اپنا الگ تشخص رکھتا ہے ایک ہی موضوع پر مختلف مضامین تو اسلوب کی نیرنگی کے ساتھ ادا کرتا ہے اس سے جو حسن پیدا ہوتا ہے وہ پڑھنے والے کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا اور اگر سلام گو قرآن و احادیث کی تعلیمات اور حضور کے مقام سے کسی حد تک آگاہی کے ساتھ سلام میں بھرپور عقیدت دکھائے تو اس کی کوشش محبوب و مستحسن ٹھہرے گی۔ راقم الحروف نے سلام کے اچھے شاعروں میں سے چند کا کلام مرتب کر کے اس لیے شامل کیا ہے کہ سلام کے مختلف انداز و اسلوب میں سلام نگاری سے محبت رکھنے والوں اور مستقبل میں سلام نگاری میں کام کرنے والوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہیں۔

نعتیہ سلام کا اولین محرک مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اذکار ان کی سیرت و شخصیت سے عوام الناس کو روشناس کرانا، ان کی پیروی و تقلید کی ترغیب دینا اور ان کے نام پر درود و سلام بھیجنا کارِ ثواب اور ذریعہ نجات ہے۔ علامہ نیاز فتح پوری شعر کی یہی تعریف بیان کرتے ہیں "محبت یا عشق فی الحقیقت ایک شدید قسم کا احساسِ پسندیدگی ہے اور اسی احساس و تاثر کے اظہار کا نام شعر ہے۔ ہم کسی پھول کو دیکھتے ہیں اور اس کے رنگ و بو سے متاثر ہو کر اس کی تعریف کرتے ہیں یہ بھی شعر ہے۔ ہم شفق کی رنگینی سے متاثر ہوتے ہیں اور اس کا اظہار کرتے یہ بھی شعر ہے۔ ہم قوس قزح کو دیکھتے ہیں اور بے اختیار کلماتِ تحسین زبان سے نکل جاتے ہیں یہ بھی شعر ہے۔ اسی طرح کائنات میں قدرت کے جتنے مظاہر و آثار ہیں وہ سب انسان کے احساس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور جو کیفیت ان سے پیدا ہوتی ہے اس کو ظاہر کر دینا شعر ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس اظہار میں ترنم کو قائم رکھا جائے اور اسی ترنم کو پیدا کرنے کے لیے مخصوص لب و

لہجہ اور مخصوص اوزان وضع کیے گئے ہیں۔ سلام نگاروں کی فکرِ رسا اور جدت طراز طبیعت نے شعری اصولوں کو اپناتے ہوئے فضائے شعر و سخن کو معطر کر دیا ہے۔ درج بالا سلام نگاروں کے سلاموں میں شعریت و معنویت سے لبریز سینکڑوں اشعار موجود ہیں انھوں نے حسن الفاظ و معانی سے جابجا اپنی عروسِ سخن کو سجایا ہے فصاحتِ الفاظ، لسانی بانکپن، جدتِ ادا، طرفگی بیان، اچھوتی بندش اور سحر انگیز اسلوب ان کا طرہ امتیاز ہے جو صنفِ سلام میں انھیں ممیز و ممتاز کرتا ہے۔

مقالہ کے متعلقہ ابواب کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ ہو گا کہ دلگیر، خلیق، انیس، دبیر، غالب اور مونس نے زبان کے استعمال میں ان معیاروں کو پیشِ نظر رکھا ہے جن کے نمونے اس دور کی اعلیٰ پایہ کی غزلوں، قصیدوں اور مثنویوں میں ملتے ہیں۔ ان شعراء نے موضوع کی مناسبت سے زبان کے ایسے تخلیقی استعمال کی صورتیں نکالیں جن سے عام بول چال کے حسن، لب و لہجہ کی شیرینی اور طرزِ ادا کے مختلف نشیب و فراز کو خوبی کے ساتھ سلاموں میں اس طرح سمویا جا سکے جس سے قلبی واردات اور ذہنی معاملات کے اظہار کے ساتھ سلاموں کا بنیادی مقصد بھی برقرار رہے۔ اس طرح سلام گو شعراء نے سلام کی فضا میں وسعت پیدا کر کے زندگی کے عمومی مسائل و معاملات کو اس کے مقاصد کے دائرے میں سمیٹ لیا اور یوں سلام نے رثائی صنف کی ایک شاخ ہونے کے باوجود غزل گو، نعت گو اور مرثیہ گو تینوں قسم کے شعراء کو اپنی طبیعت کا جوہر دکھانے کا موقع فراہم کیا اس طرح یہ صنف تینوں اصناف کے شعراء کی طبع آزمائی کی جولاں گاہ بن گئی۔

قیامِ پاکستان کے بعد کا زمانہ سلام نگاری کے احیاء کا زمانہ ہے۔ اس دور میں سلام نگاری نئے تجربات سے روشناس ہوئی۔ فن اور موضوع کی نئی جہتیں سامنے آئیں سیاسی اور ذہنی انقلاب نے ایک نئی ذہنیت اور معاشرت کو راہ دکھائی۔ اس مرحلے پر جس جذبے نے شدت کے ساتھ سر اٹھایا وہ اسلامی تمدن اور جدید کلچر کا نکھار تھا چنانچہ اس دور کے سلاموں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستانی ثقافت کے نمایاں اثرات دھیرے دھیرے اردو شاعری پر اپنا گرفت مضبوط کر رہے ہیں اور رفتہ رفتہ اس کے نقوش گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ اس تہذیبی اور ثقافتی طرزِ احساس کے پہلو بہ پہلو سلام نگاری کا یہ عہد فکری اعتبار سے بھی رفعتوں کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور کربلا کا استعارہ ایک نئے معنوی تناظر میں اپنے مفاہیم کے در کھولتا ہوا اہلِ نظر کو نئی حقیقت افروز دنیاؤں کی خبر دیتا ہے۔ آپ کی سیرت و کردار اور اخلاقی محاسن کے ساتھ ساتھ کربلا اور اس کے متعلقات کا نئے سماجی انسانی مفاہیم میں استعمال، شعراء کے تخلیقی وجدان سے ہم آہنگ ہو کر اپنے عہد کی پیچیدہ سیاسی، اخلاقی اور انسانی صورتحال کو ایک وسیع تاریخی تناظر میں سامنے لاتا ہے۔

ان سلاموں میں ایک ایسے انسان کا تصور ملتا ہے جو مسلسل ہجرت اور عذابوں میں گرا ہوا ہے۔ اور اس کے لیے کوئی دارالاماں اور جائے پناہ نہیں ہے مسائل کی چکی میں پسا ہوا انسان جب سیرتِ رسولؐ اور کربلا کے استعاروں سے واقفیت حاصل کر لیتا ہے تو ہجرت، پیاس، دشت اور قافلہ بے سروساماں جیسی علامات اس پر واضح ہو جاتی ہیں اور یہی کیفیت وہ سلام میں ورود کرتا ہے اور صدیوں کے درد کو انتہائی عقیدت و احترام کے ساتھ اپنی مٹھی میں سمیٹ کر احساس کے طاق پر رکھ دیتا ہے۔

استعاراتی اظہار کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اگر اسے تخلیقی رچاؤ اور گہرے احساس سے برتا جائے تو اس کے امکانات لا محدود ہو جاتے ہیں اور گونگوں مفاہیم وجدان اور احساس کے دروبست میں سما جاتے ہیں اب یہ قاری پر منحصر ہے کہ اس کا ظرف کس حد تک اور کس سطح پر استعاروں سے مزین لکھے جانے والے سلاموں سے کسبِ فیض کر سکتا ہے۔

اس تناظر میں جدید سلاموں کا مطالعہ کیا جائے تو ان کا استعاراتی انداز تاریخی معلومات کے علاوہ تخلیقی سطح پر ان کے جوہر کو ابھارتا ہوا نظر آتا ہے جسے وسیع احساس کی نازک ترین سطح پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اسے آپ جدید سلاموں کی تخلیقی اپج اور فنی ریاضت کا نام دے سکتے ہیں لیکن غور کیجیے سلام نگاری کو ایک طویل تاریخی اور تہذیبی عمل سے گزرنے کے بعد اور عہد بہ عہد اپنے احساس کی پرچھائیں ڈالنے کے بعد موجودہ عہد میں اپنے ابلاغ کی کیسی نازک اور باریک سطح نصیب ہوئی جہاں ہلکی سی لرزشِ حرف اس طرح دل کے تاروں میں ارتعاش پیدا کرتی ہے اور تخلیق کاروں کے خونِ جگر کو قطرہ قطرہ جذب کر کے عقیدت اور ادب و احترام کے اس گلشن کو شادابِ نظر بنا دیتی ہے۔ دوسری طرف جدید سلاموں میں عصری جبر، بے حسی اور بے ضمیری پر نوحہ گری بھی پیش کی گئی۔ ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے سلاموں میں کردار رسولؐ و امام عالی مقام علیہ السلام اور اس کے متعلقات ایک مسلسل اور مستقل موضوع کی حیثیت سے شعری رویوں کا حصہ بن کر آج بھی جاری و ساری ہیں۔ اس موضوع کی اتنی کیفیتیں اور صورتیں ہیں کہ ایک رنگ میں ہزار رنگ دکھائی دیتے ہیں جدید سلاموں میں اب شعراء کا کاسہء خیال ہمیں محدود نظر نہیں آتا بلکہ اب وہ سلاموں میں متنوع موضوعات بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جدید عہد کی سلام نگاری اب اس نہج پر پہنچ چکی ہے جہاں اردو شاعری خصوصاً غزل کے حوالے سے تخلیقی رمزیں استعمال کر رہی ہے وہیں پر غزل گو شاعر سلام پر بھی طبع آزمائی کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ ان شعراء کی جدت کاری اور فنی و معنوی کوششوں میں تاریخی واقعات کے ذریعے ایسے گوشوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو اس سے پہلے نظروں سے اوجھل رہے ہیں۔ اس نئی صورتحال کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ سلام نگاری کو ایک صنفِ سخن کے طور پر زندہ رہنے میں اب کوئی مانع نہیں ہے۔ قلت وقت کے پیشِ نظر میں نے سلام نگاری کے متعدد فکری و فنی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ شعر و ادب کی اس صنف کو قیمتی ہیرے کی مانند ہمیشہ باقی رکھے آمین!

مصادر و مراجع

۱. القرآن الحکیم

۲. ابوالامتیاز، ع س مسلم: "حمد و نعت" مقبول اکیڈمی چوک انار کلی، لاہور، ۱۹۸۴

۳. احتشام حسین، پروفیسر: مقدمہ معراج فکر (نجم افندی)، سرفراز پریس، لکھنؤ، ۱۹۶۰

۴. اداجعفری: (سلام) مشمولہ "نعت کائنات" (مرتبہ) راجارشید محمود، جنگ پبلشرز، لاہور ۱۹۷۳

۵. ارشد صابری: "سوئے حرم" جہان حمد پبلی کیشن کراچی، ۲۰۱۱

۶. اسد اریب: "نقد انیس" جدید بکڈپو، لاہور، ۱۹۶۷

۷. اسد اریب، ڈاکٹر: "تہذیب غم" کتاب نگر حسن آرکیڈ، ملتان ۲۰۰۶

۸. اسرار زیدی: "کربلا کربلا حسین حسین" الحمد پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۴

۹. اشفاق احمد، غوری: "صراط خلد" شعبہ نعت درود و سلام جلال پور پیروالہ، ۲۰۱۹

۱۰. اشفاق احمد، غوری: "صراطِ نور" بی پی ایچ پرنٹرز لاہور، ۲۰۱۷

۱۱. اطہر نفیس: "نعت کائنات" (مرتبہ) راجارشید محمود، جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۷۳

۱۲. اطہر نفیس: (مضمون) " اطہر نفیس شخصیت اور فن" مشمولہ " پاکستان کرونیکل ورثہ " (مرتبہ) عقیل عباس جعفری، فضلی سنز کراچی، ۲۰۱۰

۱۳. اعجاز رحمانی: "آسمانِ رحمت" ڈان پرنٹنگ پریس ناظم آباد کراچی، ۲۰۰۵

۱۴. اعظم چشتی: "کلیات اعظم چشتی" خزینہ علم وادب لاہور، ۱۹۸۴

۱۵. اقبال عظیم: "کلیات نعت زبور حرم" نعت ریسرچ سنٹر، کراچی، ۲۰۱۰

۱۶. اکرم سعید اکرم: "فیضانِ نعت" احسن پبلشرز فیصل آباد، ۲۰۱۰

۱۷. امام بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل: "صحیح بخاری شریف" مترجم ظہور الباری عاظمی، (مکتبہ الحرمین لاہور) ۲۰۰۳

۱۸. امداد امام اثر: "کاشف الحقائق" (جلد دوم) مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۵۶

۱۹. امیر مینائی: "کلام امیر مینائی" (مرتبہ) نظمی صدیقی، مشورہ بک ڈپو رام نگر، دہلی، ۱۹۸۴

۲۰. امیر نواز امیر: "تُو ہی تُو چار سُو" ہم خیال پبلشرز امین پور بازار فیصل آباد، ۲۰۰۲

۲۱. انجم بارہ بنکوی: "زمانہ کچھ اور ہے" ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۰

۲۲. آثم فردوسی: "سفیر کائنات" (مجموعہ نعتیہ قطعات)، حلقہ حروفِ احباب لاہور، ۲۰۱۳

۲۳. بخاری حماد رضا، سید: "بلغ العلیٰ بکمالہ" معراج کمپنی غزنی سٹریٹ، لاہور، ۲۰۱۹

۲۴. بخاری حماد رضا، سید: "صلوعلیہ وآلہ" معراج کمپنی غزنی سٹریٹ، لاہور، ۲۰۱۷

۲۵. بریلوی، امام احمد رضا خان: "شرح حدائق بخشش" (مترجم) قاری مولانا غلام حسن قادری، مشتاق بک کارنر اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۶

۲۶. تبسّم قادری: "انوارِ مودت" چشتی کتب خانہ فیصل آباد، ۲۰۱۲

۲۷. تبسّم، صوفی: "کلیات صوفی تبسّم" الحمد پبلشرز لنک روڈ، لاہور، ۱۹۹۸

۲۸. تقی عابدی، سید، ڈاکٹر: "سلک سلام دبیر" اظہار سنز اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴

۲۹. تقی عابدی، سید ڈاکٹر: "سلک سلام دبیر" اظہار سنز اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۴
۳۰. جان کاشمیری: "ضیا پاشیاں" الجاہد پبلشرز ایم بلاک ٹرسٹ پلازہ جی روڈ، گوجرانولہ، ۲۰۲۰
۳۱. جوش ملیح آبادی: "دیوان جوش" اردو اکادمی قیصر باغ، لکھنؤ، ۱۹۹۱
۳۲. جینا قریشی: "سلام یا حسین" الجاہد پبلشرز جی روڈ، گوجرانولہ ۲۰۱۹
۳۳. چھنولال دلگیر: (مضمون) "حالاتِ زندگی" مشمولہ "اردو مرثیے کا ارتقا" (مرتبہ) مسیح الزمان، کتاب نگر دین دیال روڈ، لکھنؤ
۳۴. حافظ لدھیانوی: "صل علی النبی" شرکت پرنٹنگ پریس لاہور، ۱۹۹۰
۳۵. حافظ لدھیانوی: "نشید حضوری" ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور، ۱۹۷۹
۳۶. حسرت موہانی: "کلیات حسرت موہانی" کاک آفسیٹ پرنٹرس، دہلی، ۲۰۰۳
۳۷. حسن عسکری کاظمی: "مقصودِ کائنات" الحمد پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵
۳۸. حفیظ تائب: "وسلمو تسلیما" مقبول اکیڈمی شاہدرہ قائد اعظم، لاہور، ۱۹۹۰
۳۹. حنیف اسعدی: "آپ" اقلیم نعت شادمان ٹاؤن نمبر ۲ کراچی، ۱۹۹۶
۴۰. خالد مصطفیٰ: "وفیات پاکستانی اہل قلم" فکشن ہاوس پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۴
۴۱. خورشید بیگ میلسوی: "فرات فکر" حلقہ اہلِ قلم مال روڈ لاہور، ۲۰۱۲
۴۲. خورشید رضوی، ڈاکٹر: "نسبتیں" انٹرنیشنل نعت مرکز بھاری چوک اردو بازار، لاہور ۲۰۱۵
۴۳. درگاہ قلی خان: "مرقع دہلی" (مترجم) ڈاکٹر نورالحسن انصاری شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی، ۱۹۸۶
۴۴. راشد آفریں: "فخر دو عالم" الحمد پبلی کیشنز پرانی انار کلی لنک روڈ، لاہور، ۲۰۱۳
۴۵. رشید ترابی، علامہ: "شاخ مرجان" فضلی سنز، کراچی، ۱۹۸۳
۴۶. رشید موسوی، ڈاکٹر: "دکن میں مرثیہ اور عزاداری" ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۹
۴۷. رفیع الدین سودا: "کلیات سودا" مکتبہ شعر و سخن، لاہور، ۱۹۸۲
۴۸. روش علی: "عاشور نامہ" (مرتبہ) مسعود حسین خاں، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۷۲
۴۹. ریاض حسین چودھری: "خلد حسین" خزینہ علم و ادب، لاہور، ۱۹۹۹
۵۰. ریاض فاطمہ تشہیر، ڈاکٹر: "علامہ نجم آفندی شخصیت اور فن" بوستانِ اشہر پبلی کیشنز پرانی حویلی، ۲۰۰۳
۵۱. ساجد ڈھلوں: "صدائے ساجد" گنج شکر پرنٹرز لاہور، ۲۰۱۰
۵۲. ساغر صدیقی: "کلیات ساغر صدیقی" مرتبہ، ڈاکٹر شیخ بلیغ الدین جاوید، مقبول اکیڈمی اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۲
۵۳. سردار نقوی، پروفیسر: "گریہ فرات" ابن حسن آفسٹ پریس، کراچی، ۱۹۹۹
۵۴. سکندر آغا، ڈاکٹر: "مرزا محمد جعفر اوج حیات اور ادبی کارنامے" نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۸۵
۵۵. سلام مچھلی شہری: "سخن سرائے" دبستان وراشیہ، کراچی، ۱۹۹۶
۵۶. سمیع اللہ قریشی، پروفیسر: "حصار" شام کے بعد پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰
۵۷. شارب ردولوی: "مرثیہ اور مرثیہ نگار" سمیع پبلی کیشنز پرائیوٹ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۲۰۰۶
۵۸. شارب ردولوی: مطالعہ ولی (تنقید و انتخاب)، نصرت پبلشرز، لکھنو ۱۹۷۲
۵۹. شاہد نقوی: "کرب جاوداں" پاکستان انٹرنیشنل حسنین آرگنٹ، ۱۹۹۲

۶۰. شبیہ الحسن، ڈاکٹر: "قیصرِ اقلیمِ سخن" المصطفیٰ پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۹

۶۱. شبیہ الحسن، ڈاکٹر: "باقیاتِ آلِ رضا" الحسن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۰

۶۲. شیر محمد خان اعوان، ملک: "مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی ترتیب شاعری" مرکزی مجلس رضا، لاہور ۱۹۷۱

۶۳. صائم چشتی: "کلیات صائم چشتی" چشتی کتب خانہ، فیصل آباد ۲۰۱۲

۶۴. صبیح رحمانی: "کلیاتِ صبیح" (مرتب ڈاکٹر شہزاد احمد)، دار لاسلام اندرون بھاٹی دروازہ لاہور، ۲۰۱۹

۶۵. صبیح رحمانی: "ماہ طیبہ "مشہور آفسٹ پریس کراچی، ۱۹۹۸

۶۶. صدف نقوی، ڈاکٹر: "گوہر صدف" مثال پبلیشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۳

۶۷. صفدر حسین، پروفیسر: "تجلیات انیس" مرتبہ یوسف حسین شائق، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۶

۶۸. صفدر حسین، ڈاکٹر: "رزم نگاران کربلا" اظہار سنز اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۵

۶۹. صفدر حسین، ڈاکٹر: "رزم نگاران کربلا" سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲

۷۰. ضمیر اختر نقوی، ڈاکٹر: ''اردو مرثیہ پاکستان میں'' شیخ شوکت علی اینڈ سنز آفسٹ پرنٹرز، ۱۹۸۲

۷۱. الطاف حسین حالی، خواجہ: "مقدمہ شعر و شاعری" اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۲

۷۲. طاہر القادری، ڈاکٹر: "درود و سلام اور عظمت" منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۸

۷۳. طاہر ناصر علی: "کربلا سفر میں ہے" الحسن پبلی کیشنز رحمان پورہ لاہور، ۲۰۰۶

۷۴. طاہر ناصر علی: "عطائے آلِ عبا" عسکری پبلی کیشنز سمن آباد لاہور، ۲۰۱۲

۷۵. عبد الغنی تائب: "جانِ سخن" بزم نعت پاکستان حافظ آباد، ۲۰۱۱

۷۶. علی جواد زیدی: ''انیس کے سلام'' انجمن ترقی اردو، علی گڑھ، ۱۹۷۱

۷۷. غلام محمد قاصر: "کلیاتِ قاصر" المصطفیٰ پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۹

۷۸. غلام ہمدانی مصحفی: "کلیات مصحفی" کوہ نور پرنٹنگ پریس، دلی

۷۹. فاروقی، محبوب الرحمٰن: مرتبہ "انتخاب غزلیات حفیظ جونپوری" اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ، ۱۹۸۹

۸۰. فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: "میر انیس حیات اور شاعری" اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۸

۸۱. فصیح: (مضمون) مشمولہ "فکر بلیغ شاد عظیم آبادی" (مرتبہ) نقی احمد ارشاد، نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ، لکھنؤ ۱۹۷۴

۸۲. فصیح: سلام، مشمولہ "حسین پر سلام" (مرتبہ) سید علی رضوی، کراچی، ۱۹۸۴

۸۳. فضل امام، ڈاکٹر: "انیس شخصیت اور فن" موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۴

۸۴. فضل امام، ڈاکٹر: شاعر آخر الزماں جوش ملیح آبادی" موڈرن پبلی کیشنز نئی دہلی، ۱۹۸۲

۸۵. قادری، محمد آصف: "مہر حرا" فیض الاسلام پرنٹنگ پریس راولپنڈی، ۲۰۱۳

۸۶. قادری ریاض، پروفیسر: "نکہتِ گل" سنگت پبلی کیشنز فیصل آباد، ۱۹۹۹

۸۷. قاری غلام حسن قادری، الحافظ: "شرح حدائق بخشش" اسد پرنٹرز، لاہور، ۲۰۰۳

۸۸. کامی شاہ، سید: "قدیم" سامیہ پبلی کیشنز کراچی، ۲۰۱۸

۸۹. کوکب قدر: "واجد علی شاہ کی ادبی خدمات" ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۹۵

۹۰. گستاخ بخاری: "حسین زندہ باد" مثال پبلشرز امین پور بازار فیصل آباد، ۲۰۰۸

۹۱. گستاخ بخاری: "نعت خط" مثال پبلشرز امین پور بازار فیصل آباد، ۲۰۱۷

۹۲. ماہر القادری: "تجلیات" (ذکی کاکوروی) نظامی پریس، لکھنؤ، ۱۹۳۷

۹۳. ماہر القادری: "کلیات ماہر القادری" القمر انٹر پرائزز اردو بازار، لاہور، ۱۹۹۴

۹۴. مبشر حسین فیضی: ثناء کے پھول "بقیع پرنٹنگ پریس امین پور بازار فیصل آباد، ۲۰۰۷

۹۵. مجید امجد: "کلیات مجید" الحسن پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۳

۹۶. محمد عبد الجلیل، حافظ: "مہکار مدینے کی" انٹر نیشنل نعت مرکز پبلی کیشنز بھاٹی چوک لاہور، ۲۰۱۸

۹۷. محمد علی ظہوری: "کلیات ظہوری" خزینہ علم و ادب اردو بازار لاہور، ۲۰۰۷

۹۸. محمد قلی طب شاہ: "کلیات قطب شاہ" (مرتبہ) ڈاکٹر سیدہ جعفر ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۸۵

۹۹. مرتضی حسین فاضل: "آیات مقتل" (پیش لفظ)، مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک انار کلی، لاہور، ۱۹۹۳

۱۰۰. مرزا غالب: "شرح دیوان غالب" (مرتبہ و شارح سید حیدر نظم طباطبائی) گنج شکر پریس، لاہور، ۲۰۱۴

۱۰۱. مسعود چشتی: "بارشِ انوار" ویلکم بک پورٹ اردو بازار کراچی، ۲۰۰۰

۱۰۲. مسعود حسن رضوی، سید: "اسلاف میر انیس" کتاب نگر دین دیال روڈ، لکھنؤ، ۱۹۷۰

۱۰۳. مسعود رضا خاکی، ڈاکٹر: "سرخی سلام" مکتبہ ناز کراچی، ۲۰۲۰

۱۰۴. مشکور حسین یاد: "مفہوم کربلا" شاہراہ ادب، ملتان، ۱۹۷۴

۱۰۵. مظفر عباس: (مضمون) "اردو میں سلام گوئی کی روایت" مشمولہ "ماہنامہ ماہ نو" ۱۹۷۹

۱۰۶. مظفر وارثی: "صاحب التاج" علم و عرفان پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۰

۱۰۷. مظفر وارثی: (سلام) مشمولہ "تجلیات" (مرتبہ) ذکی کاکوروی، نظامی پریس لکھنؤ، ۱۹۳۷

۱۰۸. ملا وجہی: "قطب مشتری" (مرتبہ) ڈاکٹر حمیر اجلیلی، ترقی اردو بیورو، نئی دہی، ۱۹۹۲

۱۰۹. منظر پھلوری: "ارحم عالم" (غیر منقوط نعتیہ کلام)، جہاں احمد پبلیشرز اردو بازار کراچی، ۲۰۱۳

۱۱۰. میاں دلگیر: "منظومات میاں دلگیر" (مرتبہ) ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری، سرفراز قومی پریس، لکھنؤ، ۱۹۷۰

۱۱۱. میر تقی میر: "کلیات میر" اردو دنیا، لاہور، ۱۹۵۸، ۱۳۳۲

۱۱۲. میر زئیس: سلام، مشمولہ "حسین پر سلام" (مرتبہ) سید محمد علی رضوی، ۱۹۸۴

۱۱۳. میر ضاحک: "کلیات میر ضاحک" انجمن ترقی اردو، نئی دہلی، ۱۹۸۲

۱۱۴. ناصر پرویز، ڈاکٹر: "ناصر کاظمی حیات اور ادبی خدمات" اسلامک ونڈس بیورو امروہہ، ۲۰۱۶

۱۱۵. ناصر کاظمی: سلام، مشمولہ "ششماہی حسین پر سلام" (مرتبہ) سید علی رضوی، ۱۹۸۴، شمارہ ۲

۱۱۶. نثار علی اجاگر: "جہان اجاگر" فرید پبلشرز اردو بازار، کراچی ۲۰۰۸

۱۱۷. نسیم امروہوی: "چشمہ غم" محفوظ بک ایجنسی کراچی، ۱۹۹۲

۱۱۸. نسیم امروہوی: (مضمون) "نسیم امروہوی حالاتِ زندگی" مشمولہ پاکستان کرونیکل ورثہ" (مرتبہ) عقیل عباس جعفری، فضلی سنز کراچی، ۲۰۱۰

۱۱۹. نصیر احمر اختر: "میری آرزو مدینہ" سلیم نواز پریس فیصل آباد، ۲۰۱۴

۱۲۰. نصیر ترابی: "لاریب" پیرا ماؤنٹ پبلشنگ انٹر پرائز، کراچی، ۲۰۱۷

۱۲۱. نصیر الدین، پیر سید: "فیض نسبت" مہریہ نصیریہ پبلشرز گولڑہ شریف اسلام آباد، ۲۰۰۶

۱۲۲. نظیر الحسن فوق: "المیزان"، فیض عام، علی گڑھ، ۱۹۷۹

۱۲۳. نعیم: "یورپ میں دکھنی مخطوطات" (مرتبہ) نصیر الدین ہاشمی، شمس المطابع عثمان گنج حیدر آباد دکن، ۱۹۳۲

۱۲۴. نواز حسن زیدی، سید: "نجم آفندی فکر و فن" الحسن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۰

۱۲۵. نیر مسعود رضوی: "دولہا صاحب عروج" اردو پبلشرز نظیر آباد لکھنؤ، ۱۹۸۰

۱۲۶. ہلال نقوی، ڈاکٹر: (سلام) مشمولہ "سلام یا حسین" (مرتبہ) مکرم حسین زم زم، المجاہد پبلشرز جی روڈ گوجرانولہ، ۲۰۱۹

۱۲۷. واجد امیر: (سلام) مشمولہ "سلام یا حسین" (مرتبہ) مکرم حسین زم زم، المجاہد پبلشرز جی روڈ گوجرانولہ، ۲۰۱۹

۱۲۸. واجد علی شاہ اختر: سلام، مشمولہ "حسین پر سلام" (مرتبہ) سید علی رضوی، ۱۹۸۴

۱۲۹. وجیہہ السیما عرفانی، سید: "نعت کائنات" (مرتبہ) راجا رشید محمود، جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۷۳

۱۳۰. وجیہہ السیما عرفانی، سید: (مضمون) "حالاتِ زندگی" مشمولہ "پاکستان کے نعت گو شعراء" (مرتبہ) سید محمد قاسم، حرا فاؤنڈیشن کراچی، ۲۰۰۷

۱۳۱. وحید الحسن ہاشمی: "العطش" الحبیب پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۹

۱۳۲. وحید الحسن ہاشمی: "چراغ صحرا" حلقہ مصنفین پاکستان، لاہور، ۱۹۸۳

۱۳۳. وحید عزیز، پروفیسر: "سید وحید الحسن ہاشمی کا تخلیقی سفر" اظہار سنز اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۱

۱۳۴. ولی دکنی: "ولی دکنی تصوف، انسانیت اور محبت کا شاعر" (مرتبہ) گوپی چند نارنگ، ساہتیہ اکادمی نئی دہلی، ۲۰۰۵

۱۳۵. ولی محمد: "کلیات ولی" (مرتبہ) نور الحسن ہاشمی، انجمن ترقی اردو دہلی، ۱۹۴۵

۱۳۶. یکرو: "دیوان یکرو" (مرتبہ) ڈاکٹر شمیم احمد، ادارہ اردو پکی سرائے روڈ مظفر پور، ۱۹۷۸

۱۳۷. یکرو: سلام، مشمولہ "ماہنامہ العلم" (مرتبہ) علی جواد زیدی، العلم پبلی کیشنز ممبئی ۱۹۹۳، شمارہ ۴

۱۳۸. یگانہ چنگیزی: "کلیات یگانہ" ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، مرتب مشفق خواجہ، ۲۰۰۳

۱۳۹. یونس کاظمی: "علامہ صائم زندہ ہے" کاظمی پبلی کیشنز راولپنڈی، 2012

رسائل و جرائد

۱. "العلم" ماہنامہ، العلم پبلی کیشنز، ممبئی، ۱۹۹۳، شمارہ ۰۳

۲. "حسین پر سلام" (مرتبہ سید علی رضوی)، (کراچی) ۱۹۸۴ء

۳. "خیر العمل" ماہنامہ (ساحر لکھنوی نمبر)، (حلقہ فکر و نظر پاکستان) ۲۰۱۱ء

۴. "روشنی" (گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد) ۱۹۹۴ء

۵. "فروغِ مرثیہ" کینیڈا، نومبر ۲۰۲۰ شمارہ ۲

لغات

۱. سید احمد دہلوی مولوی:''فرہنگ آصفیہ''(جلد سوم)،(مکتبہ حسن،لاہور)۱۸۹۸ء

۲. شان الحق حقی:''فرہنگ تلفظ''(مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد)۱۹۹۵ء

۳. وارث سرہندی:"علمی اردو لغت"(اُردو سائنس بورڈ،لاہور)س ن